انگاروں کا شہر
ظہیر انور

ظہیر انور

اس کتاب کی اشاعت میں حکومت مغربی بنگال
اردو اکاڈمی کا جزوی مالی تعاون شامل ہے۔

تعداد ــــــ ایک ہزار
پہلی بار ــــــ اپریل ۱۹۸۲ء
قیمت ــــــ پندرہ روپئے
ناشر ــــــ شرجیل آرٹس
کتابت ــــــ مختار الحق، اسٹریٹ نمبر ۵، ہاؤس نمبر ۱، کانکی ناڑہ، ۲۴ پرگنہ۔
طباعت ــــــ فوٹو آفسیٹ پرنٹرس، ۱۰/۳۰ تال بگان لین، کلکتہ ۱۷
سرورق ــــــ سیف الدین محمد عادل

ملنے کے پتے

شرجیل آرٹ پبلیکیشن ۱۱ ایری پوکھر فرسٹ لین کلکتہ ۱۹
دیارِ فکر و فن ــــ ۱۹ مارکوئس لین کلکتہ ۱۶
مکتبۂ تعلیمات ــــ ۲۶ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۷۳

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ترتیب و تہذیب:
ڈاکٹر یوسف تقی

احباب و عزیز

جنھوں نے میرے کرداروں کو اپنا پیکر عطا کیا

سعید پریمی	خورشید اکرام
سیّد امام رضا	شاہد العارفین
رفیق انجم	محمد شکیل خاں
سیّد ابو صالح	ایس ایم اسمٰعیل
ایس ایم راشد	جاوید اسمٰعیل
شکیل احمد	سعید اسمٰعیل
حسنین امام	محمد سمیع احمد
اکبر علی	اظہر علی نواز
جہانگیر رضا	سرور حسین صدیقی
محمد خالد رضا	اور محمد ابراہیم

سرگرم اشاعت:

ارشد کمال	شاہد کمال
عارف اقبال	محمد یوسف
ایس حیدر	عرفان علی مرزا
مسعود احمد	افتخار احمد

- ایک رات
- اپنی بات
- انگاروں کا شہر
- انتظار اور ابھی......
- سحر ہونے تک

ایک رائے

ڈراما کی دو حیثیتیں ہیں۔ اس کی پہلی حیثیت تو اسٹیج پر پیش کئے جانے والے ایک تماشے کی ہے جسے ہم آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں۔ یہ تماشہ بہر حال اصلی اور سچا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ ہم زندگی کے گوناگوں پہلوؤں سے آشنا ہوتے ہیں۔ اس حیثیت سے ڈرامے کی طاقت اس بات میں ہے کہ ہم اسے تماشہ نہیں سمجھتے بلکہ زندگی سمجھتے ہیں۔ ڈرامہ کی دوسری حیثیت ادبی ہے یعنی الفاظ کے ایسے مجموعے کی جس کا مرتبہ اور منصب تخلیقی اور فنکارانہ ہوتا ہے۔ اردو کے ڈراما نگاروں کی کمزوری یہ رہی ہے کہ وہ اسٹیج کے مسائل اور ڈرامائیت کے تقاضوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر ڈرامہ بطور تماشہ یعنی ڈراما بطور زندہ پیش کش کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ ڈراما اور اسٹیج میں جو رشتہ ہے اس کو دریافت اور قائم کئے بغیر ڈراما محض ایک تحریر بن کر رہ جاتا ہے۔

ظہیر انور کے ان ڈراموں کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ ڈراما اور اسٹیج کے رشتہ کی دریافت اور قیام کے فرض سے پوری طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ ان ڈراموں کو اسٹیج پر غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی ہے، کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ اسٹیج کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور کچھ اس لئے بھی کہ ڈراما نگار کو معاصر انسان اور اسکے مسائل سے بے پناہ دلچسپی ہے۔ یہ دلچسپی طنز یا تمسخر یا نکتہ چینی کے ذریعہ نہیں بلکہ دردمندی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ ان ڈراموں کو دیکھ یا پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ڈراما نگار معاصر دنیا کی بے انصافی، ظلم اور استحصال کے خلاف ڈرامے کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ابھی وہ احتجاج کی منزل میں ہے۔ یقین ہے کہ آہستہ آہستہ وہ فلسفیانہ بصیرت اور مفکرانہ گہرائی کی منزل کو بھی سر کرے گا۔ ڈراموں کی زبان برجستہ اور مکالمے رواں دواں ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی

کلکتہ یکم مارچ ۱۹۸۲

یہ کتاب میری پہلی کتاب ہے۔ اپنے بارے میں لکھنے کا صرف یہ مقصد ہے کہ میں ڈرامہ کے متعلق ایسے لمحے میں کیا سوچ رہا ہوں اسے رقم کر دوں ——— ! یہ بات یوں بھی ضروری ہے کہ اردو میں ڈرامے لکھے تو جاتے ہیں لیکن انھیں اسٹیج پر پیش کرتے وقت دِقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ——— یا یوں کہا جائے کہ ڈرامہ ادب کی ایک ایسی صنف ہے جو AUDO - VISUAL ہے یعنی جسے سُنا اور دیکھا جا سکے۔ تحریری ادب کے دائرے سے نکل کر چلتا پھرتا اور بولتا ادب بن سکے !

ڈرامے کا تعلق براہ راست عوام سے ہے۔ اگرچہ اسے عوامی فن کہہ کر اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے ——— انسان سماج میں زندہ ہے۔ اس سماج کے معیار اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ حرکت اور زندگی کا مرتکب ہوتا ہے۔ سماج کی تبدیلیاں بھی اس کے ذہن کو چونکاتی ہیں اور اسے تبدیل کرتی ہیں۔ سماج کا ہر رشتہ اسی حرکت اور تبدیلی کے زیرِ اثر ہے۔ یہ رشتہ دوست کا ہو، ماں کا ہو، بیوی کا ہو یا پھر انسان کا، اس کے تصورات یا کارکردگی سے ہو، انھیں رشتوں کے تیور کو ڈرامہ رقم کرتا ہے اور اسٹیج کی زینت بنتا ہے۔ جب ہم زندگی کے کسی حصے کو ایک اسٹیج پر پیش کرتے ہیں تو عوام سے اس کا تعلق براہ راست ہوتا ہے، اور عوام پر اس کا اثر دیر تک قائم رہتا ہے ——— تھیٹر ایک ایسی جگہ ہے جہاں ادب کی یہ صنف عوام سے دوبدو آنکھ مچولی کرتی ہے اور عام انسان کی ذہنی بیداری کی ایک زبردست ضرورت کو پورا کرتی ہے، یہ ضرورت میرے خیال میں تاابد رہے گی ——— اس لئے کہ بہت

ڈراموں کے لئے تھیٹر تک پہنچنا فرصت کا ایک عمل ہی نہیں بلکہ تخلیقی عمل ہے۔

یہ بات نہیں کہ ڈرامے میں صرف کوئی مقصد ہو یا بیداری کے لئے تھیٹریکل آلۂ کار اختیار کیا جائے، تو وہ بہتر ڈرامہ ہوتا ہے۔ بلکہ زندگی کے مختلف مراحل میں انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے باغی ہو جاتا ہے یا فیصلہ کرتا ہے خواہ اس کا مقصد اچھا ہو کہ بُرا لیکن یہی چھوٹی چیزیں سماج میں اس کی کارکردگی کو متعین کرتی ہیں اور اسی چیز کی آگہی کے لئے ہی ڈرامہ کا وجود ضروری ہے۔

BENJAMIN BENNETT محسوس کرتے ہیں کہ ڈرامہ اور تھیٹر ہماری سماجی اور تہذیبی زندگی کے عین مرکز میں ہوتے ہیں، خواہ زندگی کتنی ہی بے ترتیب کیوں نہ ہو اور یہ کہ ڈرامہ اور تھیٹر ہمیں تہذیب اور سماج کی رواداری کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اور ہمارے حالات کو بلند تر کر کے انسانی بھائی چارگی کی طرف لے جاتے ہیں۔ بس اس طرح ہم با آسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ تھیٹر اور ڈرامے کی کارکردگی یہ ہے کہ یہ لکھنے والے اور عوام کے درمیان، یہاں تک کہ ایک شخص کے دوسرے شخص کے درمیان رابطہ قائم کرے، اس کی تنہائی دور کرے اور دورِ حاضر کی تصویر پیش کر کے انھیں آزاد کر سکے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آغا حشر کے ڈرامے اس دور کی تصویر کو پیش کر کے سماجی درستگی کے سامان بہم پہنچاتے ہیں، یا ساگر سرحدی دورِ حاضر کے مسئلے کو سامنے رکھ کر آج کے لوگوں کی تصویر انھیں کے روبرو پیش کرتے ہیں۔

مغربی ڈرامہ نگاروں کا یہ رویہ زمانۂ قدیم سے اب تک بہت ہی وسیع دائرے میں پھیلا ہوا ہے۔ بیسویں صدی کے ڈرامہ نگاروں کی بات آتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ڈرامہ اور تھیٹر انسان کی ذہنی، سماجی اور سیاسی آزادی کا ایک زبردست ذریعہ بنے ہیں، سارتر کے لئے بغیر خدا کے زندہ رہنے کی آزادی اور اپنی ذمہ داریوں کا پاس، الیٹ کے لئے خدا کے نورانی معیار کو دوبارہ حاصل کرنے کی جستجو یا پھر STRIND BERG کے لئے تصورات کی آزادی جو لامحدود کا تعین کر سکے۔ بنگالی، مراٹھی اور ہندی تھیٹر میں بھی یہ رویہ

موجود رہا ہے، بادل سرکار ہوں کہ اتپل دت، تندولکر ہوں کہ مومن راکیش، انھوں نے ایسے کردار جنم دیئے ہیں جو سماج کی برائیوں کو بے نقاب کرتے ہیں اور سادہ اور صاف زندگی کا اشارہ بنتے ہیں۔

آج ڈرامہ خواہ کسی بھی ملک میں لکھا جا رہا ہو، وہ نہایت ترقی یافتہ ہے۔ اس کی وجہ تخلیق کار کی اسٹیج سے گہری وابستگی اور اپنی تحریر کو "زندہ پیشکش" بنانے کی جستجو ہے ——! جدید ڈرامے کے اصول کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نہ تو حقیقت کی نقل ہے اور نہ ہی انسانی کرب انگیزی سے علیحدگی، بلکہ موجودہ صورتِ حال کی بے پناہ شدت انگیزی کو پیش کرنا ہی سب کچھ ہے۔ ایسی صورتِ حال میں جہاں ڈرامے کی شدت انگیزی کی زبردست اظہاریت ہے، وہاں تیکنک، اسٹیج کرافٹ، ہدایت اور LIGHTS کو زبردست اور فنکارانہ طور پر برتنے کی ضرورت ہے۔ ہندستان میں TAPAS SEN نے اکثر ڈراموں کو VISUALIZE کر کے کامیابی کی نئی راہوں سے ہمکنار کیا ہے۔ اسٹیج پر جہاز، ریل اور سیلاب کے EFFECTS کو روشنی کے کھیل سے پیش کر کے ڈرامہ لکھنے والوں کو بھی اس نے نئی راہیں دکھائی ہیں —— تیکنک کے اس شعبے میں مغرب والوں کا کیا کہنا ——!

اردو زبان کی بدنصیبی یہ رہی ہے کہ اس میں بہتر ڈرامے کم ہیں، ورنہ حبیب تنویر اور القاضی جیسے ہدایت کار موجود ہیں جو کسی ڈرامے کو اسٹیج پر مکمل فنکاری کے ساتھ زندہ پیشکش بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کمی نے ہم کو ایک ایسی صنف سے الگ کر دیا جو عوام کے قریب رہ کر زندگی کی وسیع لہروں کا احاطہ کرنے میں آرٹ کار رہی ہے —— دوسری بدنصیبی یہ ہے کہ پرانے لوگوں نے جب ڈرامے پیش کئے تو ELITES کے لئے یا پھر چند باری اسٹیج پر ڈرامے اپنے پیکروں کے ساتھ ابھرے اور پھر دب گئے —— اس طرح ہم ایک تہذیبی وراثت سے کٹ چلے تھے اور پھر آغا حشر کا ہی کمال رہا ہے کہ انھوں نے ڈراموں کو مقبولِ عام کی سند عطا کی اگرچہ ادبی شہ پارہ کی حیثیت سے وہ بھی ناقدوں کے معیار پر پورے نہیں اترے۔ اردو زبان میں ڈرامے کی تیسری اور سب سے اہم بدنصیبی یہ

رہی کہ اسے AUDIENCE تو ملے لیکن بیدار مغز کم ملے۔ ہمارے بیشتر ڈرامہ نگار جن کے ڈرامے اسٹیج ہوئے وہ WIT اور HUMOUR تو الگ سی بات ہے ایک ایسے قبیل کا طربیہ بن کر رہ گئے جو بے ہودہ حد تک سستے مذاق پر مبنی تھے اور ہمارے دیکھنے والوں کا ذہن خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو لطیفہ زدہ بن کر رہ گیا ــــــ وہ نہ تو زبردست کردار پیش کر سکے جنھیں شیکسپیئر کے LEAR یا پھر SHERIDON کے MALAPROP کے سامنے رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے واقعات پیش کر سکے جو برنارڈ شا کے ڈراموں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ کردار اور واقعات ڈرامے کی جان ہیں اور اگر IBSEN کے ڈراموں کے کردار اور SHAW کے ڈراموں کے تانے بانے ہم پیش کر سکیں تو کوئی عجب نہیں کہ ہماری کمی بہت جلد پوری ہو سکے ــــــ!

میں نے انھیں وجوہات کے تحت ڈرامے کے میدان کو اپنایا ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ میرے تخلیق کردہ کردار اور واقعات برائی سے پاک ہیں یا واقعات کے تانے بانے خامیوں سے مبرا ہیں۔ کلکتہ کی تہذیبی زندگی میں جہاں اتپل دت کا "انگار"، شمبھو مترا کا "راجہ اوڈی پس" اور بادل سرکار کا "تیسرا اسٹیج" ہلچل پیدا کر چکا ہے، وہاں ہم بالکل خاموش تھے ــــــ میں نے پہلی بار ڈرامے کو ایک سنجیدہ سبجیکٹ کی حیثیت دیکر اسٹیج کا رُخ کیا ہے تاکہ عوام تیار ہو سکیں۔ معلمی کے پیشے میں رہ کر معاشی طور پر ڈراموں کو اسٹیج پر پیش کرنا میرے لئے بہت ہی کٹھن ہے۔ لہٰذا اکثر ڈراموں کو اسٹیج کی مختصر ترین ضرورتوں کے تحت ہی میں نے لکھا ہے۔ کلکتہ کے اردو داں طبقہ کو یہ بتانا ضروری تھا کہ ہم سب اسٹیج پر لطیفہ گوئی کے علاوہ سنجیدہ گفتگو بھی کر سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ کام کٹھن ہے، اس لئے ایسے کردار کو ایسے مکالمے اور سچویشن میں سجانا پڑا کہ ان کے اندر تھیٹریکل حسن ہو اور پھر یہ اپنے معنی بھی نہ کھو دیں۔ پیرانڈلو (PIRANDELLO) کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کے ڈراموں میں وہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اگر کردار کی حیثیت سے نہیں تو کم از کم پورے ڈرامے میں متحرک ذہن کی طرح۔ جو تبصرہ بھی کرتا ہے، اظہار بھی کرتا ہے

اور تصوراتی عمل سے دوچار بھی ہوتا ہے۔ بس اس طرح بہت ہی حقیر انداز میں میں اپنے کرداروں میں اکثر موجود ہوں تاکہ براہ راست عوام کے سامنے مجھے اظہار کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو ـــــ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اکثر AMATEUR گروپ کو عورت نہیں ملتی یا ہمارے طبقے میں اب تک لڑکیاں ڈراموں میں حصہ نہیں لیتی ہیں۔ اس لئے عورت کے کردار کی تخلیق میں ہم اکثر اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ ہم نسوانی کردار کو کم سے کم سامنے لائیں۔ اس لئے ہم عورت کے کردار میں پھنسے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہمارے پاس نیک پروین جیسے کردار تو موجود ہیں لیکن ایک PORTIA (شیکسپیئر) ایک KATHLEEN (SYNGE) یا ایک جولیٹ یا پھر برنارڈ شا کی گنوار لڑکی ہمارے بس سے ابھی تک باہر ہے۔ میں بھی ڈرامے میں عورت کے کردار کے سلسلے میں الجھن اور ناکامی کا شکار رہا۔ علاوہ ازیں بہت سارے کرداروں کو علامتی طور پر برتنا پڑا تاکہ بات جلد اور تیز ہو سکے۔ اس لئے کہ ہمارے عوام سنجیدہ ڈراموں کے عادی نہیں۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کرداروں کی تدریج ترقی یا ان کی باطنی زندگی کے تصادم میں کمی ہوئی ہو۔ لیکن اب وقت آرہا ہے کہ کردار کو تمام لوازم کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

بس انہی باتوں کے تحت میں نے ڈرامے لکھے اور دوسری صنف کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اب یہ ڈرامے کتابی شکل میں آگئے ہیں اور بلا جھجک میں قاری کی طرف اسے بڑھاتا ہوں لیکن ان ڈراموں کو پیش کرتے ہوئے میں کسی پشیمانی کا شکار نہیں۔

اب میں ذرا کچھ ذاتی قسم کی باتیں کروں گا ـــــ!

سب سے پہلے میں اس شخص کا ذکر کرتا ہوں جس نے زندگی کے ہر شعبے میں میرا ساتھ دیا اور جو ہزاروں میل کی دیوار کو احساس اور جذبے کی شدت سے گرا چکا ہے، وہ مجھ میں زندہ ہے اور وہ ہے بیبیٹر مینویل۔ امریکہ میں

ETHNOMUSICOLOGY کا طالب علم ہے اور اردو سے بھی قریب ہے۔
میں یہ کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس نے کس طرح ہر میدان میں میری مدد کی اور یہ کہ مجھے ہمیشہ یہ احساس دلایا کہ میں زندہ ہوں اور تحریر کی دنیا میرے حصار میں آسکتی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی ادب اور تنقید کی دنیا کی وہ شخصیت ہے جو اپنی تیز دھار نیز سچائی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ لوگ خواہ کچھ کہیں لیکن جس نے بھی انھیں قریب سے دیکھا ہے وہ میرے ساتھ یہ کہنے میں نہیں جھجھکے گا کہ وہ سراپا ایک دھڑکتا ہوا ذہن اور رنمیت سے آراستہ فرد ہیں۔ ان کی 'ایک رائے' میرے لئے بہت حوصلہ افزا ہے ـــــ اس کے لئے میں بہت خوش ہوں۔ ان کی پُر مغز باتیں ڈراموں کے اصول کے سلسلے میں میرے ذہن میں پڑے گرد کو صاف کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں، اس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

کلکتہ کی فضا میں ڈراموں کو اسٹیج تک پہنچانے میں کچھ لوگوں نے ساتھ دیا۔ ان میں مسلم انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری جناب سلطان احمد کی خدمات کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اس کے علاوہ حسنین امام، رفیق انجم، سرور حسین صدیقی اور شکیل احمد کا ممنون ہوں جنھوں نے اس کٹھن سفر میں مجھے جذبے اور حرکت سے آراستہ کیا۔ میں پروفیسر نیاز احمد خاں کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے میرا مسودہ دیکھا۔ آخر میں میں اپنے ماں باپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مجھے ایک "آزاد فضا" بخشی اور اپنی خاموشی سے مجھے ہمت اور رضامندی عطا کی۔

کلیم ضیا
۲۸ مارچ ۸۲ء

انگاروں کا شہر

۱

کردار:

آواز

وشال

چھوٹے بھائی

موہن کمار

ڈاکٹر

پاگل نمبر ۱

پاگل نمبر ۲

پاگل نمبر ۳

پاگل نمبر ۴

پاگل نمبر ۵

رامو

پولس انسپکٹر

راجیش

فقیر

عینی رتھ

فادر دیسوزا

یہ ڈرامہ پہلی بار یکم مئی سنہ ۱۹۸۰ء کو کلا مندر میں اسٹیج کیا گیا۔ اس میں مندرجہ ذیل فنکاروں نے حصہ لیا۔

کردار	فنکار
غیبی آواز :	شکیل احمد
وشال :	ظہیر انور
چھوٹے بھائی :	ایس ایم ہاشمی
موہن کمار :	احمد جمال صدیقی
پولس انسپکٹر :	شاہد العارفین
ڈاکٹر :	اکبر علی
پہلا پاگل :	سرور حسین صدیقی
دوسرا پاگل :	حسنین امام
تیسرا پاگل :	محمد خالد رضا
چوتھا پاگل :	سید ابو صالح
پانچواں پاگل :	احمد جمال صدیقی
راجیش :	شکیل احمد
فقیر :	سرور حسین صدیقی
عینی رتھ :	کلپنا دی روزاریو
فادر دی سوزا :	سعید ہاشمی
ہدایت :	ایس ایم راشد
لائٹس :	رنجیت مترا
SOUND EFFECTS :	سرور حسین صدیقی

افتتاحیہ

وشال :

آپ نے ڈرامے دیکھے اور پڑھے ہیں۔ ہم بھی ڈرامے پیش کرتے ہیں لیکن ایک بات، ہم کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہے ہیں۔ آپ کی زندگی کا ایک حصہ، وہ درد جو ہمارے اس عہد کو لپیٹ میں لے چکا ہے۔ وہ تنہائی جو آپ کے سینے کے اندر بول اٹھتی ہے، یہی سب اور بہت کچھ۔ اس گھنی آبادی میں کم ہی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے درد اور تنہائی کو نہ سہا ہو۔ بس یہی ہمارا منشاء ہے کہ آپ تک اس درد کی تصویر پہنچا دیں جو ہمارے عہد نے ہمیں دیا ہے۔

میں کوئی بڑا فن کار نہیں، نہ ہی میرے حصے میں ایسی روشنی ہے جو آپ کی طرف پھینک سکوں۔ بس اس ڈرامہ میں فنکار کا رول ادا کر رہا ہوں۔ میرے ساتھ میرے کچھ ساتھی ہیں جو آپ کی زندگی کے مختلف کردار کو آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ تیار ہیں، تو میرے عہد کے لوگو! ـــــ ہم بھی تیار ہیں۔

(وقفہ ـــــــــــــــــــ موسیقی)

پہلا سین

ایک اسٹوڈیو : - اسٹیج کے سامنے کے حصّہ کی داہنی جانب ایک ایزل، اس پر کینوس اور اس پر ایک ادھوری تصویر ہے۔ اسی کے سامنے چھوٹے سے ٹیبل پر کچھ برش اور مختلف رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ پس منظر میں ایک سیاہ پردہ اور پردے پر دو ایک خوبصورت تصویریں لگی ہوتی ہیں۔ ایک کرسی اور میز، اور اس پر بکھری ہوئی چند کتابیں اور ایک گلاس جو پانی سے آدھا بھرا ہوا ہے۔ کچھ TABLETS پڑے ہوئے ہیں۔ ایک کونے میں صراحی ہے اور دیوار پر ایک کلینڈر لٹک رہا ہے ——— وقت ۱۹۸۰ء اور فرش پر سونے کے لئے ایک چادر، تکیہ اور تصویروں کے بیچ ایک صلیب!! ایزل کے سامنے وشال سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اچانک پس منظر سے ایک آواز ابھرتی ہے۔

آواز : وشال آج تم خاموشی میں ڈوبے ہوئے کیوں ہو؟ کیا اب تم فن کار نہیں رہے؟ کیا تمہارے ہاتھ تھرتھرانے لگے ہیں؟ کیا تم ایزل کے سامنے کھڑے ہو کر رنگوں کی بھیک مانگ رہے ہو؟ تم کو اپنی انگلیوں اور رنگوں پر بھروسہ نہیں رہا؟ نظر اٹھاؤ وشال! اپنی نظر کو ذرا بلند کرو! دیکھو سماج میں بے پناہ درد کی تصویریں ہیں۔ یہ تم سے رنگوں کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ اٹھو اور ان کو بڑھ کر زندگی دے دو۔

وشال : (جس پر ہلکی روشنی ہے۔ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے) نہیں، نہیں یہ کیسی آواز ہے جو میرا پیچھا کر رہی ہے؟ یہ کون ہے جو مجھے انگاروں کے شہر میں جھلسا دینا چاہتا ہے۔ میں اس سماج کا حصّہ نہیں۔ میں نے یہاں بے پناہ خون ہوتے دیکھے ہیں۔ یہاں سچّائی نہیں ہے۔ یہاں سچّائی نہیں ہے۔

آواز: خاموش! بزدل انسان، یہاں صرف راتیں ہیں۔ تم انھیں سورج نہیں عطا کر سکتے۔ اس لئے سماج سے بھاگ رہے ہو۔ ایسے آدمی کو دنیا پاگل کہتی ہے ــــ تم پاگل ہوتے جا رہے ہو وشال! تم پاگل ہوتے جا رہے ہو۔

وشال: نہیں نہیں، میں پاگل نہیں ہوں، میں پاگل نہیں ہوں۔ میں ہر طرف سے کٹ پھٹ گیا ہوں، میں اپنی زندگی کو اس صدی کے عتاب سے بچانا چاہتا ہوں۔

آواز: تم پاگل ہو رہے ہو، تم پاگل ہو رہے ہو۔

وشال: (کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اور پیچھے کی طرف ہٹتے ہوئے) بند کر دیہ بکواس جاؤ میرے اسٹوڈیو سے نکل جاؤ، جاؤ چلے جاؤ۔ (اچانک اس کے سینے میں درد اٹھتا ہے اور وہ سینہ پکڑ لیتا ہے) آہ! یہ درد! یہ بے انتہا درد! جانے مجھے کہاں پہنچائے۔

چھوٹا بھائی: (داخل ہوتے ہوئے) کیا ہوا بھیا؟ کیا ہوا تمھیں؟ پھر درد اٹھا ہے؟

وشال: کچھ نہیں بھائی کچھ نہیں۔ (پانی کا گلاس خالی کرتا ہے) میں اپنی تنہائی سے گھبرا گیا تھا۔

چھوٹا بھائی: بھیا تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تم سے مل کر ہی جائے گا۔

وشال: (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) اسے اندر بھیج دو میں اس سے ملوں گا۔

(ایک امیر شخص، جس کی عمر ۴۵ سال کے لگ بھگ ہے۔ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس نفاست اور امیرانہ رعب و داب والا داخل ہوتا ہے)

موہن کمار: میرا نام موہن کمار ہے۔ میں آپ کے شہر کا مشہور بزنس مین ہوں۔ کپڑوں کا بیوپاری ہوں، لاکھوں کا دھندہ کرتا ہوں، مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔

وشال: مجھے وشال کہتے ہیں، کہیئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

مومن کمار: میں نے آپ کی بہت تعریف سُنی ہے۔ اکثر محفلوں میں آپ کا تذکرہ ہوا ہے۔
سُنا ہے آپ رنگوں سے کھیلتے ہیں اور بڑی حسین PAINTING کرتے ہیں۔
وشال: ہمارے عہد میں اب کوئی رنگ بچا ہی نہیں کمار صاحب۔ دیکھئے نا یہ نئی تصویر
رنگوں کے بغیر کس طرح اُداس ہوگئی ہے۔
مومن کمار: آپ چاہیں تو حسین سے حسین تصویر بنا سکتے ہیں۔ فن کار کا ایک اشارہ مُردوں
میں جان ڈال سکتا ہے، بے جان کاغذ پر جاندار تصویریں بنانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے،
وشال: درد کی تصویر بناتے بناتے میں تھک سا گیا ہوں کمار صاحب! خیر یہ کہیئے کہ آپ
کس لئے میرے پاس آئے ہیں۔
مومن کمار: مجھے ایک شاندار PAINTING کی ضرورت ہے۔ کافی دنوں سے میرا
ڈرائنگ روم سونا پڑا ہے۔ دوستوں نے کئی بار شکایت کی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ
اس کی دیوار کو آپ کی تصویر سے سجا دوں۔
وشال: ہمارے یہاں تصویریں بولتی ہیں کمار صاحب! بکتی نہیں ہیں؟ یہاں کچھ بھی بکاؤ نہیں۔
مومن کمار: دنیا میں کیا نہیں بکتا وشال صاحب! ہر چیز بکتی ہے، فنکار بھی بکتے ہیں۔
گوشت پوست کے انسان بک جاتے ہیں اور یہ تو صرف آڑے ترچھے خطوط ہیں۔
میں آپ کو منہ مانگے دام دوں گا۔
(وشال پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا ہے)

مسٹر وشال! میں زندگی میں آپ کے بہت کام آسکتا ہوں۔ مجھ جیسے آدمیوں کے
ساتھ آپ کا بہتر رویہ آپ کو بلندی تک پہنچا سکتا ہے۔ آپ موقع کی نزاکت کو
سمجھنے کی کوشش کیجئے! آپ مجھے خوش کریں گے تو میں آپ کو خوش کر دوں گا۔
یہی دنیا کا اصول ہے۔ اِس ہاتھ دو اور اُس ہاتھ لو۔

وشال: (اچانک غصہ کا اظہار کرتے ہوئے) چلے جاؤ یہاں سے، کم ظرف انسان چلے
جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میرا گھر گندہ ہو۔ تم اپنے ناپاک قدم یہاں سے ہٹالو۔ شرم

نہیں آتی تمہیں۔ ہر چیز بکتی ہے؟ ہر چیز خرید لیتے ہو تم ہم مجھے دنیا کا اصول بتانے آئے ہو؟ سن لو کان کھول کر سن لو۔ یہی اس دنیا کا اصول ہے تو میں تھوکتا ہوں۔

"I WILL NEVER BE A PARTY TO YOUR WORLD"

یہاں کچھ نہیں بکتا سمجھے۔ جاؤ جاؤ کسی بازار میں اور گڑیا خرید لو۔

موہن کمار: اپنی زبان کو لگام دو فنکار۔ تم کو نہیں معلوم میں کون ہوں اور تمہیں کہاں پہنچا سکتا ہوں۔ تم کو نہیں معلوم کہ تم جیسے فنکار راستے میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ میں تم جیسے لوگوں کو خرید کر اپنے گھر میں ملازم رکھ سکتا ہوں۔ شاید تم مجھے نہیں جانتے؟

وشال: اور مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ تم جیسے کماروں سے تو ہماری دنیا سسکتی رہی ہے۔

I COMMAND YOU! BETTER LEAVE THE PLACE

یہاں سے نکل جاؤ۔

موہن کمار: میں جا رہا ہوں، لیکن ایک بات سن لو۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی اس بدتہذیبی کی سزا کل تمہیں ملے۔ تم پاگل ہو ایک دم پاگل

وشال: GET OUT میں تمہیں اور برداشت نہیں کر سکتا۔

(کمار جھڑکتے ہوئے نکل جاتا ہے۔ اسٹیج پر وشال اکیلا کھڑا ہے، روشنی صرف اسی پر پڑتی ہے)

وشال: ضمیر اور دل کے تاجر، انصاف اور انسانیت کے تاجر۔ انھیں سے یہ دنیا آباد ہے۔ ہر چیز کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔ کم ظرف! میں اس دنیا کا حصہ دار نہیں۔

(وہ ایزل کے سامنے کرسی پر بیٹھتا ہے اور پس منظر سے پھر وہی آواز)

آواز: تم دنیا سے نفرت کر کے زندہ نہیں رہ سکتے وشال۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ کیا تم ہر چیز سے منہ موڑ لینا چاہتے ہو؟ دیکھو دیکھو، کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟ تم پاگل ہو وشال۔

وشال : ہاں میں پاگل ہوں۔ میں پاگل ہوں۔ اس زمانے کی بدتہذیبی سے الگ رہنا پاگل پن ہے تو میں پاگل ہوں۔ میں اور نہیں سہہ سکتا دکھ، درد اور کرب کی اس بستی میں پاگل ہونا ہی بہتر ہے۔

آواز : یقیناً تم پاگل ہو۔ تم پاگل ہو۔

وشال : نہیں، نہیں! مجھ پہ اور آوازے نہ کسو۔ میں پاگل نہیں۔ میں پاگل نہیں۔

[بتی بجھتی ہے۔ (پردہ) اور اسی کے ساتھ دوسرا منظر سامنے آتا ہے۔ پردہ کھلنے سے پہلے NARRATION -]

NARRATION : ہمارے اس دیش میں آرٹ اور فن کے ساتھ آرٹسٹ اور فن کار بھی محتاج اور مفلوج ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلتا ہے۔ ہر طرف اداسی کی لکیریں پھیل جاتی ہیں۔ وشال بھی ایسے ہی بے نام ونشان فنکار کی طرح پاگل اور دیوانہ ہو اٹھا ہے۔ اب اسے اپنی پہچان کی ضرورت ہے۔ وہ اس پہچان کے لئے دربدر بھٹک رہا ہے۔ شاید اسے پھر کہیں ایسی روشنی ملے تو پھر سے اس کو سماج کے مقابل لا کر کھڑا کر دے۔ دیکھئے، غور سے دیکھئے۔ وہ کہاں پہنچا ہے۔ ارے! یہ تو پاگلوں کے درمیان اپنی تلاش کرنے آیا ہے۔

دوسرا منظر

پردہ کھلتا ہے

(پس منظر میں سیاہ پردہ اور پردے پر MENTAL HOSPITAL لکھا ہوا ہے۔ کچھ کرسیاں ملاقاتیوں کے لئے پڑی ہیں۔ وشال ذہنی امراض کے ایک ڈاکٹر کے ساتھ اسٹیج پر داخل ہوتا ہے)

وشال: یہ MENTAL HOSPITAL ہے، لیکن میں کوئی دماغی مریض نہیں۔ میں بڑی امید کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں کچھ پاگلوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ انھیں دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر ورما: آپ آج ان پاگلوں کو دیکھنے آئے ہیں جب یہ پاگل ہو گئے ہیں۔ آج آپ ان سے پیار جتانے آئے ہیں؟ جب ان کے ذہن کے خلیے اتھل پتھل ہو گئے ہیں۔ مسٹر وشال۔ انھیں اگر کچھ پہلے پیار مل جاتا تو شاید یہ پاگل ہونے سے بچ جاتے۔

وشال: دیکھئے ڈاکٹر صاحب! محض ایک آدمی پورے سماج کو نہیں بدل سکتا۔ میں نے آج تک اپنی دانست میں کسی کو بھی نفرت نہیں دی۔ آپ کے کہنے کے مطابق لوگوں کی جھڑکیاں، گالیاں، دھتکاریں یہی ساری چیزیں انسان کو ABNORMAL بنا دیتی ہیں۔

ڈاکٹر: ہاں یہی چیزیں اور بہت ساری، کون جانتا ہے ان کو۔ ان کے نام کو۔ آج تک

انھیں بے مقصد دیکھنے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا ۔ شاید آپ پہلے آدمی ہیں ۔

وشال : کیا ان کے اپنے کوئی رشتہ دار یا عزیز نہیں ؟

ڈاکٹر : ان کا جو کچھ بھی ہے ۔ میں ہی ہوں ۔ علاج کے ساتھ ساتھ انھیں پیار کی ضرورت بھی ہوتی ہے ۔ جب ان کے رشتہ دار اُن کے پاگل پن سے گھبرا جاتے ہیں تو انھیں اس پاگل خانہ میں ڈال جاتے ہیں اور انھیں چھٹکارہ مل جاتا ہے ۔

وشال : یعنی پاگل ہونے کے بعد دنیا کے تمام رشتے ناطے بیکار ہو جاتے ہیں ڈاکٹر ۔

(اتنے میں زبردست شور ۔ دوڑو پکڑو کی آوازیں ۔ ولودو لودو کہہ کر لوگ چلّا رہے ہیں ۔ اندر ایک شخص داخل ہوتا ہے)

ڈاکٹر : وشال صاحب ! آپ ذرا انتظار کریں ، میں ابھی آتا ہوں ۔ آؤ چلو ۔

(ڈاکٹر چلا جاتا ہے اور اسٹیج پر وشال اکیلا کھڑا ہے)

وشال : اس صدی کا شاید کوئی بھی خدا نہیں ۔ جو بھی چیزیں تھیں آج سب کھو گئیں ۔ کل کے نشان ، کل کی عظمت ، کل کا سکون ، آج کچھ بھی نہیں ۔

(اچانک ایک پاگل اندر داخل ہوتا ہے)

پاگل نمبر ۱ : کون ، کون ، نہیں ، خبردار ، خبردار ، مجھے ہاتھ نہ لگانا ، مجھے ہاتھ نہ لگانا ، میں مر جاؤں گا ۔ ہاہاہا ، نہیں نہیں ۔ میں اس کرسی پر نہیں بیٹھوں گا ۔ نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو ، بھاگ جاؤ (یہ کہہ کر دیوار سے لگ جاتا ہے) میں اور نہیں کروں گا ، جلسہ ٹوٹ چکا ہے ، سب لوگ جا چکے ہیں ۔ (وہ سسکتا ہے)

وشال : (قریب جاتے ہوئے) آخر تمہیں کیا ہوا ہے میرے دوست ۔ تم کیا کہہ رہے ہو ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔ آؤ بھائی میرے پاس آؤ ۔

پاگل نمبر ۱ : خبردار ، بالکل خبردار ۔ تم پاگل ہو ، تم پاگل ہو ، ہاں تم پاگل ہو ، بھاگ جاؤ ، وہ لوگ تمہیں بھی SHOCK دیں گے ۔ جاؤ چلے جاؤ ۔

وشال : میں تمہارے پاس آیا ہوں ۔ تم سے ملنے آیا ہوں ۔

پاگل نمبر ۱ : مجھ سے ملنے آئے ہو؟ کس لیئے آئے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ سب لوگ ٹھیک ہیں نا! BANKIM بابو کیسا ہے؟

وشال : کون سے لوگ، کیسے لوگ، میں تو صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔

پاگل نمبر ۱ : مجھ سے ملنے آئے ہو۔ میرے لیئے کیا لائے ہو، بولو جلدی بولو۔

وشال : ہاں میں تم سے ملنے آیا ہوں، تم بالکل ٹھیک ہو دوست۔

پاگل نمبر ۱ : سب انتظام مکمل کر دیا ہے نا، اسٹیج تیار ہے تو، سڑکوں پر پوسٹرس چھاپ دو، سب کام بانٹ لو، ہاں ہاں دیکھو کچھ نہ چھوٹے، آج ہزاروں آدمیوں کو جمع کرنا ہے۔ آج مگن سنگھ آرہے ہیں۔ تم نے گاڑی بھیجی ہے تو۔ دیکھو کوئی فساد نہ ہو۔ ہاں مگن سنگھ زندہ باد۔ جئے نرائن زندہ باد۔ راج ماتا زندہ باد۔ دیکھو لوگ آگئے ہیں۔

(وہ روشنی کے بارے میں تقریر کرتا ہے)

بھائیو! دنیا کی ہر پارٹی سے ہوشیار۔ یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے، ووٹ کی بھیک مانگیں گے اور پھر چناؤ کے بعد وہ آپ کو بھول جائیں گے۔ ہاں تو بھائیو! آج تیرہ اگست کی تاریخ میں آپ لوگوں کے سامنے آیا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں حالات بدلیں گے۔ (گھوم کر پوچھتا ہے "بدلیں گے نا") ہماری پارٹی نے آپ سے تین وعدے کیئے تھے۔ روٹی، کپڑا اور مکان ـــ آپ کو روٹی بھی ملے گی، کپڑا بھی ملے گا اور مکان بھی۔ بولو، بندے ماترم بولو۔

(پھر مڑتا ہے) ارے سب چپ ہیں۔ شاید وہ آرہے ہیں۔ بھاگو بھاگو، ارے تم بھاگتے کیوں نہیں۔

وشال : دیکھو تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ وہ کون ہیں جو آتے ہوں گے، ہمیں بھی تو بتاؤ۔

پاگل نمبر ۱ : وہی جو ہم کو شاک دیتے ہیں۔ تم چلے جاؤ، چلے جاؤ، اندھیرے میں جاؤ، وہ تم کو پکڑ کر جھنجھنا دیں گے۔

وشال: اب کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ میں تمہاری مدد کروں گا ۔ آج سماج میں ہر آدمی برابر ہے ۔

پاگل نمبر ۱: ہر آدمی پولس ہے، پولس ہے، وہ دسمبر کی سرد رات اور شاک! ہاں مجھے یاد آرہا ہے۔ ہاں یاد آگیا۔ وہ موٹی موٹی چربی والے پولس ۔

(منظر پیچھے کی طرف مڑتا ہے)

اسٹیج کے ایک کونے میں ونود کے ساتھ سوالات کئے جا رہے ہیں، اور اسٹیج بالکل اندھیرا ہے، ونود کے ہاتھوں میں رسی بندھی ہے اور وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہے ۔

پولس: ہوں تو مسٹر ونود، انھیں پہچانتے ہیں، غور سے دیکھئے اس تصویر کو ۔

ونود: میں نہیں جانتا ۔

پولس: اچھا تو پھر اس تصویر کو تو پہچانتے ہوں گے یہ BANKIM ہے ۔

ونود: میں نے کہہ دیا نا کہ میں کسی کو نہیں پہچانتا ۔

پولس: اچھا، تم سب کچھ بتاؤ گے، لائٹس آن، (سگریٹ جلاتا ہے) اچھا یہ بتاؤ کہ ۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو تم سب لوگ، میرا مطلب تمہاری پارٹی کے سب لوگ شام کی ٹرین سے مالدہ گئے تھے ۔

ونود: ہم لوگ نہیں گئے تھے ۔ (سگریٹ سے داغتا ہے)

پولس: وہاں کس لئے گئے تھے ۔ (گردن دباتے ہوئے اور تکلیف دیتے ہوئے) کس لئے گئے تھے؟

پولس: سن لو، تمہارا لیڈر BANKIM کلکتہ آنے کے بعد پولس SQUAD کا شکار ہو چکا ہے، وہ مر چکا ہے۔

ونود: کیا BANKIM BABU مر گئے، نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ۔

پولس: یاد آیا،

(اچانک اسپتال کا منظر، وہ پہلے کی طرح وشال کے سامنے کہانی دہراتا ہے)

پاگل نمبر ۱ : ہاں ! یہ میرے ہاتھ ، ارے باپ رے باپ ! ۔

(ڈاکٹر پیچھے سے آکر کھڑا ہو جاتا ہے) یہ میرے ہاتھ کٹ گئے تھے ۔ سالوں نے پیچھے باندھ دیا تھا ، میرا دوست بھگت ! ہاں بھگت مر گیا ۔ چلایا خوب چلایا مر گیا بھائی ۔ وہ مجھے بھی ، ہاں مجھے بھی ، ارے باپ رے باپ ۔ بڑی بڑی بتیاں ، شاک ، نہیں نہیں ، میں اور نہیں کروں گا ، مجھ کو چھوڑ دو ، میں جا رہا ہوں ، بھاگو ، بھاگو ،

(وہ ڈاکٹر کو دیکھتا ہے ایک لمحہ کو دیکھتا ہے اور اسی کو اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے) پولس ! شاک ! پولس شاک (پھر وہ باہر نکل جاتا ہے) ۔

ڈاکٹر : ہاں تو مسٹر وشال دیکھا آپ نے ۔ اس پاگل پر آج بھی خوف چھایا ہوا ہے ۔

وشال : میرے خیال میں اس کو سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے پولس نے کافی پریشان کیا ہے ۔

ڈاکٹر : آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ پاگل تھا ، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ ہی آپ یہ ABNORMAL ہو گیا ۔ پورا سیاسی نظام اور پولس محکمہ اس کو پاگل بنانے کا ذمہ دار ہے ، ہم خود اپنے ہمزاد بھائیوں کو سزا دیتے ہیں اور پاگل بنا کر یہاں پھینک دیتے ہیں ۔

وشال : کیا ایسا کوئی علاج نہیں ڈاکٹر جو ان کے پاگل پن کو اچھا کر دے ۔ ایسی کوئی دوا نہیں جو ان کے دماغ سے تمام زخم دھو ڈالے ۔

ڈاکٹر : ہاں ہے ایسی دوا ، لیکن اس صدی میں بہت مہنگی ہے اور وہ ہے پیار ۔ خیر میں آپ کو دوسرے سے ملاتا ہوں ، رامو ! رامو ! (رامو آتا ہے) جاؤ اور جا کر انتخاب کو لے آؤ ۔

وشال : میں نہیں جانتا تھا ڈاکٹر صاحب کہ بے پناہ درد سے بھی لوگ پاگل ہو جاتے ہیں ۔ ہم سب تاریخ کے کس موڑ پر کھڑے ہیں ڈاکٹر ۔

(رامو اسی وقت انتخاب کو لے کر داخل ہوتا ہے ۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اندر داخل ہوتا ہے ۔ اور اس کے ہونٹوں پر MACBETH کے ڈائیلاگ ہیں ۔)

OUT, OUT BRIEF CANDLE,

LIFE IS BUT A WALKING SHADOW, A POORPLAYER WHO STRUTS AND FRETS HIS HOUR UPON THE STAGE.

AND THEN IS HEARD NO MORE.

(اچانک وہ ڈاکٹر کی طرف مڑتا ہے، ہنستا ہے اور کہتا ہے)

IT IS A TALE TOLD BY AN IDIOT, FULL OF SOUND AND FURY, SIGNIFYING NOTHING.

(پھر وہ خود اپنی اداکاری پر تالی بجاتا ہے اور کہتا ہے)

نہیں نہیں، نہیں، لائٹس آف کر دو۔ (اچانک ایک لمحہ کے لئے بتی جاتی ہے)

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): LIGHTINGS کی STAGE میں فرق آنا ضروری ہے۔ جب تم اپنے ڈائیلاگ ادا کرو تو اسٹیج کی طرف نظر رکھو، اور ایک ایک لفظ کو کھل کر کہو۔ (پھر وشال کی طرف مڑ کر) اچھا تو ہمارے ڈرامے کے MACBETH، تم نے اپنے ڈائیلاگ یاد کر لئے ہیں

وشال: کون سے ڈائیلاگ، مجھے کوئی ڈائیلاگ یاد نہیں۔

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): MY DEAR MACBETH اگر تم نے ڈائیلاگ یاد نہیں کئے تو میں تمہیں بھی نکال دوں گا، اور کسی دوسرے کو لے آؤں گا۔ میں نے پچھلے ڈرامے میں بھی یہی کہا تھا، آہا، پچھلا ڈرامہ، پچھلا ڈرامہ، کیا بات ہے۔ (اور وہ پچھلے ڈرامے کے ڈائیلاگ ادا کرتا ہے):

"آج آنکھوں میں جلن اور دل میں طوفان ہے، نشا، تم مجھ سے چھین لی گئیں۔ آج میری آتما پر زمانے والوں نے ٹھوکر لگائی ہے۔ میرے چاروں طرف گھور اندھیرا ہے، بھیانک بولتا ہوا گہرا اندھیرا، اے دل بتا تجھے آج کدھر لے چلوں، کہیں کوئی نہیں۔ نشا، مجھے اکیلے کیوں جینے دیا، کیوں میرا ساتھ چھوڑ دیا، میں کیسے جیوں گا، کیسے

(یہ کہہ کر وہ رونے لگتا ہے)

وشال: بھائی یہ نشار کون ہے۔ کیا تم اس سے پیار کرتے ہو۔ (پاگل نظر اٹھا کر دیکھتا ہے)
اب کہاں ہے وہ، مجھے بتاؤ؟

(پاگل مڑتا ہے، دوڑتا ہے اور ایک کرسی اٹھا کر اپنے بازوؤں میں ایستادہ کرتے ہوئے کہتا ہے)

وشال: ارے یہ کرسی کیوں اٹھا رہے ہو؟

پاگل نمبر ۲: ہاہاہا، یہ میری لاش ہے۔ یہ میری لاش ہے اور اس کو میں گود میں لئے پھر رہا ہوں۔ آج ہر آدمی اپنی لاش اٹھائے پھر رہا ہے۔ بولو تم کس قبرستان سے آئے ہو۔ وہاں بھوت ہیں بھوت۔

(پھر MACBETH ، MACBETH چلاتا ہے، کرسی کو رکھتا ہے اور کہتا ہے)

HEAR IT NOT DUNCAN, FOR IT IS A KNELL THAT SUMMONS THEE TO HEAVEN OR HELL.

ہاہاہا! آج تیری آخری رات ہے، تیری آخری رات ہے۔ ہاہاہا -!

(اچانک اسٹیج کے ایک کونے میں SPOT LIGHT جاتا ہے۔ میں اداکاری کرتے ہوئے۔

سلمیٰ! تم سو رہی ہو، گہری پُرسکون نیند، تم کتنی خوبصورت ہو، کتنی حسین، یہ گھرے بال، یہ ہونٹ، یہ جسم، شاید یہ دنیا تمہاری مثال نہ پیش کر سکے۔ اٹھو دیکھو، دیکھو مجھے، میں تمہیں کس قدر پہچان گیا ہوں۔ یہ حسین چہرہ کتنے لوگوں کو بے وفائی کی تہہ میں اتار چکا ہے۔ (اچانک غصے میں) بجھا دو ان چراغوں کو، بجھا دو، ان چراغوں کو، ان چراغوں کو بجھ جانا چاہیئے، ورنہ ہزاروں زندگیاں اندھیرے میں ڈوب جائیں گی۔ (دوبارہ اداس ہو کر) ہزاروں چہرے فنا ہو جائیں گے۔ (وہ سسکتا ہے)۔

ڈاکٹر: انتخاب آؤ میرے پاس آؤ۔ یہاں کرسی پر بیٹھو۔ (وہ ایک کرسی پر بیٹھتا ہے)
تمہیں ڈرامہ کا بہت شوق ہے نا۔

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): شوق! ہاں ڈرامہ۔ کہاں ہے ڈرامہ، میرے ڈائیلاگ کیا
ہیں، مجھے دو، میں دو دن میں ریہرسل کر لوں گا۔ جلدی نکالو۔

ڈاکٹر: اچھا! تم نے پہلے کبھی ڈرامہ میں کام کیا ہے؟

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): پہلے! پہلے نہیں، ابھی کیا ہے۔ ہاں کتنا خوبصورت، واہ
کیا اداکاری کی ہے۔ پچیس سال بھی اسٹیج پر رہو تو میں تمہیں اپنے سین میں پاگل کر دوں
گا۔ (پھر سوچنے لگا) پانی، پانی۔

ڈاکٹر: رامو، رامو پانی لاؤ ایک گلاس پانی۔

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): پانی پیوں گا میں۔ پانی پیوں گا (رامو پانی لئے ہوئے آتا ہے)

ڈاکٹر: ہاں ہاں، پانی آرہا ہے۔ لو یہ پانی پیو (وہ پانی دیتا ہے)

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): (پانی پی کر) اے پانی کی بوند، تو ہم کو زندگی عطا کرتی ہے،
تو ہم لوگوں کیلئے کتنی ضروری ہے (یہ کہہ کر وہ سارا پانی اپنے سر پر ڈھال لیتا ہے)

وشال: انتخاب صاحب! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ
کی اداکاری کتنی خوبصورت ہے۔

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): چپ رہو تم، تم جھوٹ بکتے ہو، تم بھی میرے گال پر تھپڑ
مارو گے۔ مجھے سب یاد ہے۔ میرا ڈرامہ "ادھورے خواب" کو لوگوں نے کیا دیا۔
جانتے ہو کیا دیا۔ میں تھا اور اسٹیج تھا، اور کوئی نہ تھا۔ ہاں کوئی نہ تھا۔ (آواز نرم پڑ جاتی
ہے) میں اکیلا تھا، میں چیخ رہا تھا اور کوئی نہ تھا، میں رو رہا تھا اور کوئی نہیں تھا۔
(وہ رونے لگتا ہے) میں رو رہا تھا اور کوئی نہ تھا۔

ڈاکٹر: جاؤ انتخاب اپنے کمرے میں جاؤ، ہمت نہ ہارو، جاؤ۔

پاگل نمبر ۲ (انتخاب): (وہ اٹھتا ہے، پھر ڈائیلاگ کی طرح ادا کرتا ہے) وہاں کوئی

نہ تھا، صرف میں تھا۔

وشال: ایسا لگتا ہے کہ ڈرامہ کی ناکامی نے اس کو گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ اس کو بے اندازہ دُکھ ہے ڈاکٹر۔ میں نے کم لوگوں کو اسقدر درد سے بھرا ہوا دیکھا ہے۔

ڈاکٹر: ہاں وشال صاحب! جب اس کا ڈرامہ ختم ہوا تو ہال بالکل خالی تھا، لوگ پہلے ہی جا چکے تھے، اور پھر اکیلے ہال سے اٹھ کر فنانسر نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس دن سے آج تک یہ سنبھل نہ سکا۔

وشال: واقعی ڈاکٹر، انھیں دنیا بھر کے پیار کی ضرورت ہے۔ ہماری صدی میں پیار کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ بس ایک بھولی بسری یاد کی طرح

(اچانک فنانسر داخل ہوتا ہے)

پاگل فنانسر: بھولی بسری یاد، یہاں "ادھورے خواب" ہی سب کی زندگی ہے۔ وہ میرا ڈرامہ "ادھورے خواب" میں اس کا فنانسر ہوں۔ تمام راستوں میں پوسٹر چپکا دیئے گئے ہیں۔ ہر طرف اس کا چرچا ہے۔ ہر طرف "ادھورے خواب" کا شور ہے، لوگ پاگل ہو رہے ہیں۔ میرے ہال کی طرف آ رہے ہیں۔ تم ٹکٹ لوگے، بولو جلدی بولو، میرے پاس اب بھی ٹکٹ ہے۔ پانچ روپئے میں ایک، جلدی بولو۔ یہ بھی ختم ہو جائے گا تو تمہارا خواب ادھورا رہ جائے گا۔

ڈاکٹر: سیتا رام جی۔ آپ یہاں کیسے آ گئے؟

پاگل فنانسر: میرا ڈرامہ "ادھورے خواب" میں نے پیسہ لگایا ہے۔ پیسہ، پیسہ، پیسہ واپس آ جائے گا؟

وشال: ڈاکٹر، یہ وہی فنانسر ہے نا جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا۔

ڈاکٹر: ہاں وشال، یہ وہی ہیں، اب ان کی زندگی بھی "ادھورے خواب" ادھورے سپنے کی طرح ہو گئی۔ (فنانسر سے) سیتا رام جی، جائیے اندر جائیے۔ آپ کا ایکٹر آپ کو پکار رہا ہے۔

پاگل فنانسر: ہاں کہاں ہے وہ، کہاں ہے وہ ؟ اسی کو تو سب کچھ کرنا ہے۔ ہاں میں دیکھوں تو یہ ہرسل چل رہا ہے کہ نہیں۔ ہاں، ہاں "ادھورے خواب"۔

(یہ کہتا ہوا وہ باہر کی طرف نکل جاتا ہے)

وشال: ایسے بھیانک درد وغم کے بیچ آپ کس طرح ADJUST کرتے ہیں ؟

ڈاکٹر: میں ڈاکٹر ہوں، زندگی دینا میرا کام ہے۔ ہم ڈاکٹروں کی سب سے پہلی اور آخری خواہش موت وحیات کے بیچ میں ایک دیوار بننا ہے۔

وشال: لیکن یہ ذہن تو پگھل کر بہہ جائے گا۔

ڈاکٹر: آپ تو ابھی سے گھبرا گئے۔ کچھ لوگ تو صرف محبت کے لئے پاگل ہو جاتے ہیں۔ رکئے میں اس دیوانے کو لاتا ہوں جو شبنم شبنم پکارا کرتا ہے۔

(وہ چلا جاتا ہے، اچانک تمام بتی بجھتی ہے۔ روشنی صرف ہالے کی صورت میں وشال پر گرتی ہے جو پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا ہے)

آواز: میں دنیا ہوں۔ یہ بستی آگ اور خون کی بستی ہے۔ (اچانک وشال اِدھر اُدھر دیکھتا ہے) یہاں ظلم کی چھاؤں میں انسان جیتے ہیں۔ ہر طرف بھیانک کھیل جاری ہے۔ ہر طرف نسلِ آدم پر داؤ چل رہے ہیں۔ یہی یہاں کی روایت ہے اور یہی یہاں کا چلن، میں ہمیشہ زندہ ہوں، کوئی بھی اس دنیا کو نہیں بدل سکتا ـــــ یہ کون ہے جو آج مجھ پر سوچنے بیٹھا ہے۔

وشال: کون ہو تم، یہ کیسی آواز ہے۔ یہ کون ہے جو میری طرف بڑھ رہا ہے ؟

آواز: مجھ کو پہچان لو۔ میں لوگوں سے ظلم کرواتا ہوں۔

وشال: نہیں، نہیں۔ یہ انسان معصوم ہیں۔ جاؤ جاؤ، میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔ (اتنے میں لائٹ واپس ہوتی ہے) اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ اتنے میں ڈاکٹر ایک پاگل کو لئے ہوئے داخل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر: ان سے ملو، ان کا نام آزاد ہے۔

وشال : (ہاتھ ملانے کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے) مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی آزاد صاحب !

پاگل نمبر ۳ (آزاد) : نہیں نہیں، میں آزاد نہیں ہوں، میں دیوانہ ہوں۔ میں صرف دیوانہ ہوں، اپنی شبنم کا دیوانہ، شبنم شبنم (اسٹیج کے دونوں کونے پر آواز لگاتا ہے) شبنم، حسن و خوبصورتی کی دیوی، پری، جل پری، اس کی آنکھیں ہرن جیسی تھیں۔ نہیں نہیں، جھیل جیسی تھیں۔ ان میں دونوں جہاں آباد ہے۔ تم نے دیکھی ہیں ایسی آنکھیں، نہیں نہیں، تم کبھی نہیں ڈوبے۔

ڈاکٹر : ذرا یاد کرو، دیوانہ، تم شبنم سے کب ملے تھے ؟

پاگل نمبر ۳ (آزاد) : شبنم، شبنم، ہاں مجھے یاد ہے شبنم، برسوں ہو گئے۔ چاندنی رات تھی، تم اپنی بالکونی پر کھڑی ناگن جیسے بال کھولے ہوئی تھی۔ سرخ بتی تمہاری بالکونی کے کونے میں روشن تھی اور ہاں ڈاکٹر، وہ ایسراگ رہی تھی، میں اپنی جھونپڑی کے اندر تھا۔ میری نظر اچانک اس پر پڑی پھر، پھر دل سے دل ملے، آنکھ سے آنکھ ملی — میں اس کا ہو گیا وہ میری ہو گئی۔

وشال : پھر کیا ہوا دیوانہ ؟

پاگل نمبر ۳ (آزاد) : پھر ملاقاتیں ہوئیں۔ ہماری محبت ہو گئی۔ ہر طرف شہنائیاں بجتی ہوئی ملیں، پارک، ہوٹل، سمندر — انھیں جگہوں میں ہم گھومتے رہے۔ تم نے دیکھا ڈاکٹر، تم نے دیکھا بھائی، ہاں! تم نے دیکھا تھا، ضرور دیکھا تھا، ضرور دیکھا تھا۔ بولو کیسی تھی میری شبنم، بولو کیسی تھی، اچھی تھی نا ؟

وشال : ہاں گلاب کے پھول کی طرح حسین اور خوبصورت۔

پاگل نمبر ۳ (آزاد) : نہیں، اس کی آنکھیں جھیل جیسی تھیں۔ میں اس میں ڈوبا ہوں۔ میں کہاں سے کہاں آگیا ہوں۔

وشال : ہاں، تم پاگل خانے آگئے ہو۔

پاگل نمبر ۳ (آزاد) : ہاں میں پاگل خانے میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ میری آنکھیں نکالو،

نکالو میری آنکھیں، تم اس کو دیکھ لوگے۔ نہیں رکو! اس کو وہ کالا ناگ ڈس گیا، ہاں وہی کالا ناگ۔

ڈاکٹر: یہ کالا ناگ کون تھا دیوانہ؟

پاگل نمبر ۳ (آزاد): وہی تھا، بالکل وہی تھا ڈاکٹر، جو سرخ رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا، کم بخت سگار پیتا تھا۔ وہ آیا اور اس کو ڈس گیا ڈاکٹر۔

وشال: تو گویا شبنم نے تمہیں دھوکہ دیا ہے؟

پاگل نمبر ۳ (آزاد): نہیں بھائی نہیں، ایسا نہ کہو۔ مجھے چوٹ لگتی ہے۔ (غصّے سے) اس نے چھین لیا۔ تم سب نے چھینا ہے، اصول بنا لیا ہے نا۔ دل کے ٹکڑے کئے ہیں ہم پر تیر چلاتے اور ہمارا سینہ چھلنی کر دیا ہے۔ میرا چہرہ جل گیا ڈاکٹر۔ (پھر وشال کی طرف مڑتا ہے) مجھ کو شبنم لا دو بھائی، مجھ کو شبنم لا دو، میں تمہارے پاؤں پکڑتا ہوں۔

وشال: یہ تم کیا کر رہے ہو؟

پاگل نمبر ۳ (آزاد): نہیں لاتے (ہلکے گمبھیر آواز) تم نہیں لاتے (پھر چھلانگ مار کر نیچے اترتا ہے) تم نے دیکھا شبنم کو دیکھا ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ دیکھو دیکھو مجھے بلا رہی ہے۔ (کہیں سے گیت کی آواز) تم سن رہے ہو ڈاکٹر، اسی کی آواز ہے، ہاں وہ مجھے بلا رہی ہے۔ (وہ سرکتا ہے وِنگس کی طرف) ہاں وہ کہہ رہی ہے ہمارا پیار امر ہے۔ ٹھہرو شبنم ٹھہرو ـــــ سماج کی دیواریں مجھے تم سے الگ نہیں کر سکتیں۔ شبنم میں آ رہا ہوں۔ شبنم، شبنم، شبنم،

(یہ کہہ کر وہ بھاگتا ہے اور سیڑھی سے وِنگس کے اندر گھس جاتا ہے)

وشال: درد سے اس کا سینہ پھٹ گیا ہے ڈاکٹر۔

ڈاکٹر: ٹھہریئے، میں آپ کو انٹونی سے ملاتا ہوں۔ (وہ آگے بڑھتا ہے) دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں، آپ دیکھئے۔ رامو، رامو، انٹونی کو اندر بھیج دو۔

وشال: یہ انٹونی صاحب کون ہیں۔ کیا یہ بھی پاگل ہیں؟

ڈاکٹر: سراپا درد ہیں، اور اسی درد نے ان کو پاگل کر دیا ہے۔ (وینگس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ ہیں انٹونی صاحب۔

(انٹونی، ادھیڑ عمر کا آدمی، بال سیاہ و سفید، آنکھوں میں چشمہ، میلا سوٹ اور ہلکی پھٹی ٹائی، ایک پینٹ کچھ اٹھا ہوا۔ ہاتھوں میں ایک وائلین لئے ہوئے داخل ہوتا ہے اور پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا ہے)

ڈاکٹر: آؤ آؤ، انٹونی، ہمارے بیچ آؤ۔

(انٹونی سیدھے اسٹیج کے ایک کونے میں جاتا ہے، ایک لمحہ خاموش رہتا ہے پھر چلاّتا ہے)

انٹونی: COME MY MARY, MARY, MARY COME. دیکھو تم ہم کو چھوڑ کے نہیں جا سکتا ہے۔ ہم تمہارا فادر تم کو پکارتا ہے، MARY ہم بہت اکیلا ہے۔

ڈاکٹر: دیکھو انٹونی، یہ ہمارے مہمان ہیں، انھیں وائلین سناؤ۔

(وہ وائلین بجاتا ہے اور آہستہ آہستہ روتا ہے)

ہمارا MARY بابا بہت خوش ہوتا ہے۔ جب ہم دھن بجاتا ہے۔ پر ہم کیا بجائے گا۔ ہمارا تار ٹوٹ گیا، ڈاکٹر ہمارا MARY چلا گیا۔

وشال: (آہستہ آہستہ تالی بجاتے ہوئے) واہ! واہ انٹونی صاحب میں نے ایسی پیاری دھن بہت کم سنی ہے۔ اس میں بے پناہ درد ہے۔ پر ایک بات ہمیں بتاؤ انٹونی انکل MARY کون ہے؟

انٹونی: (خاموشی توڑتے ہوئے) MARY, MARY کہاں ہے، کہاں ہے، بولو جلدی بولو، تم ہم کو لے چلو PLEASE میرا MARY کہاں چلا گیا؟

(وہ جھک کر اس کے پاؤں پکڑ لیتا ہے)

ڈاکٹر: انٹونی یہ تم کیا کر رہے ہو؟

انٹونی: ڈاکٹر، یہ آدمی میرا MARY کا خبر لایا ہے۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے ڈاکٹر۔

وشال: MARY کون ہے انٹونی انکل۔ یہ کون ہے بولو جس کی یاد تمہیں آتی ہے۔

انٹونی: نہیں ہے کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر میں اکیلا ہوں۔ دنیا میں بالکل اکیلا۔ میرا WIFE CATHERINE ہم کو چھوڑ کے چلا گیا۔ اب کوئی نہیں۔

وشال: تو یہ "میری" کیا ہے۔ دیکھو ہم کو اپنا دکھ کہو انٹونی انکل۔

انٹونی: (زور سے وائلین کا تار بجاتے ہوئے) میرا تار ٹوٹ گیا ڈاکٹر، میرا تار ٹوٹ گیا۔

(پھر سسکتا ہے)

ڈاکٹر: (آہستہ آہستہ قریب جاتے ہوئے) تم MARY کو بھول رہے ہو انٹونی۔ یاد کرو، یاد کرو، وہ دسمبر کی سرد رات اور ۷ تاریخ۔ یاد کرو انٹونی تم آج بھی مجھے سناتے ہو۔ وہ ۷ دسمبر کی سرد رات، آسمان پر گھنے بادل اور تمہاری MARY۔

انٹونی: (بہ چیخ کر) ہاں ڈاکٹر۔ جاڑے کی وہ سرد رات، ڈاکٹر بولا تمہارا MARY بچ جائے گا۔ ڈاکٹر ہم رات بھر اس کے سر کے پاس بیٹھ کر رو دیا۔ اس کو دوا دیا اور صبح کو MARY ہم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ ہم کو چھوڑ کر ڈاکٹر۔ ہم اس کو رات بھر وائلین سنایا پھر بھی وہ چلا گیا۔

ڈاکٹر: پھر کیا ہوا انٹونی۔

انٹونی: پھر صبح کو ہم باہر گیا۔ اپنا CATHERINE کا قبر پر ڈاکٹر۔ ہم اس کو بولا CATHERINE تم ظالم ہے۔ بہت ظالم ہے تم ہم کو چھوڑا۔ ابھی MARY کو بلایا پھر ہم بہت رویا ڈاکٹر۔

ڈاکٹر: پھر کیا ہوا انٹونی۔

انٹونی: میرے پاس پیسہ نہیں تھا۔ میں MARY کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ JESUS کو بہت بولا۔ JESUS تم مردہ کو زندہ کرتا ہے، لیکن وہ نہیں سنا ڈاکٹر۔ وہ غریب کی نہیں سنتا ہے۔ پھر میرا MARY مٹی کے نیچے دب گیا ڈاکٹر۔

وشال: یعنی تمہاری بیٹی تم سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئی ہے۔

انٹونی: نہیں (غصے سے دیکھتا ہے) نہیں وہ روٹھی نہیں۔ اس نے چھین لیا ہے (وہ آسمان کی طرف اشارہ کرتا ہے) وہ جو سارا دنیا چلاتا ہے۔ وہ جس نے ہم کو دیکھا نہیں۔ ہمارے دکھوں کو دیکھا نہیں، ہماری تنہائی کو دیکھا نہیں، اس نے ہم سے چھینا ہے۔ کون بولتا ہے کہ JESUS مُردہ کو زندہ کرتا ہے۔ وہ ظالم ہے، وہ ظالم ہے۔ وہ زندہ انسانوں کو چھین لیتا ہے۔ ہم کو دُکھ دیا، ہم تم کو نہیں چھوڑے گا JESUS۔

ON THE DAY OF JUDGEMENT ہم تم سے پوچھے گا۔ میرا MARY کہاں گیا۔ ڈاکٹر! اس نے میرا MARY چھین لیا ڈاکٹر۔ (یہ کہہ کر رونے لگتا ہے)۔

وشال: یہ کیسی دنیا ہے ڈاکٹر، یہ کیسی دنیا ہے۔ کسی نے سماج بدلنے کی قسم کھائی تو اسے SHOCK ملے، کسی نے اسٹیج پر فن دکھانے کی ہمت کی تو اس کے منہ پر طمانچے پڑے، اور کوئی اپنی چھوٹی سی دنیا میں خوش تھا تو بھگوان نے اس سے اس کی MARY کو چھین لیا۔ یہ کیسا نظام ہے جس میں انسان اتنا بے بس ہو گیا ہے۔

انٹونی: MARY, MARY کس نے دیکھا ہے MARY کو۔ تم نے دیکھا ہے، بولو کہاں دیکھا ہے۔ تم نے میری بچی کو چھپا دیا ہے۔ ڈاکٹر یہ ضرور MARY کا پتہ جانتا ہے۔ بولو SON بولو، کدھر ہے وہ ہم تم کو اپنا وائلن دے دیگا۔

ڈاکٹر: نہیں انٹونی اس نے تمہاری MARY کو نہیں چھینا ہے، بلکہ گاڈ نے چھینا ہے۔

انٹونی: GOD, WHO THE HELL IS GOD میرے دکھ کا اس کے پاس کوئی ANSWER نہیں، کیسا GOD ہے وہ، پر ڈاکٹر ہم تم کو ایک بات بولتا ہے۔ میرا MARY آئے گا۔ وہ ایک دن ضرور آئے گا۔ ہم جانتا ہے اس کے لئے CAKE لانے کو۔ وہ ہم سے PROMISE کیا، کرسمس میں آئے گا، ہم سے وائلن سنے گا، ہم جانتا ہے ڈاکٹر، ہم جانتا ہے، MARY, MARY (وہ نکل جاتا ہے)

وشال: ہوسکے تو اسے اچھا کر دو ڈاکٹر، نہیں تو اس سارے نظام کو بدل کر راکھ کر دو جو ہماری خوشی ہم سے چھین لیتا ہے۔

ڈاکٹر: CONTROL YOURSELF، آپ اگر پاگل ہو گئے تو ہمارے پاس اور بیڈ نہیں۔

(اتنے میں انٹونی بھیمر داخل ہوتا ہے)

انٹونی: SON میرا بات سنو، دیکھو تم کو MARY ملے گا، تم اس کو میرے بارے میں ضرور بتانا۔ اس کو میرا پتہ دینا، میرا پتہ وارڈ نمبر بی اور روم نمبر سے۔ اچھا ہم جاتا ہے۔ MARY, GOD BLESS YOU. ہم آتا ہے" میری" ہم آتا ہے۔

وشال: دیکھا تم نے ڈاکٹر، اس کے دکھ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اس کو پورے نیچر نے لوٹ لیا ہے۔

ڈاکٹر: میں دیکھ رہا ہوں، آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔ دیکھئے ہمارے پاس اور بیڈ نہیں ہے۔

وشال: EXTRA BED رکھو ڈاکٹر، ایک دن ہر اچھا آدمی پاگل ہو جائے گا۔ کیا اس دنیا میں محبت کی کوئی جگہ باقی نہیں بچی؟

ڈاکٹر: اچھا میں چلتا ہوں۔ (خموشی)

وشال: (اکیلا اور روشنی صرف ہالہ کی شکل میں) یہ کیسی دنیا ہے۔ یہ کیسے لوگ ہیں۔ ہر طرف گھور اندھیرا ہے۔ سماج میں کہیں انصاف نہیں سب کچھ ڈوب رہا ہے۔ میں اس دنیا کا حصہ دار نہیں۔

"I WILL NEVER BE A PARTY TO THIS WORLD"

(اچانک سینہ میں درد) آہ، یہ درد، یہ درد مجھ کو شاید ختم کر دے — یہ کیسا درد ہے۔ (یہ کہتا ہوا وہ زمین کی طرف جھکتا ہے اور روشنی غائب)

(پردہ)

تیسرا منظر

(اسٹوڈیو ـــــــ سب کچھ پہلے ہی جیسا، اس کا چھوٹا بھائی دوسری
طرف پڑھ رہا ہے۔ اچانک درد سے وشال کراہتا ہے)

وشال: چھوٹے بھائی مجھے ایک گلاس پانی دے ـــ ذرا جلدی کر (وہ پانی لاتا ہے)

چھوٹے بھائی: کیا ہوا بھیّا، تمہیں کیا ہوا۔

وشال: میرا وقت پورا ہو رہا ہے بھائی، آج میری آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔
میں بالکل ڈوبنے لگا تھا بھائی۔

چھوٹے بھائی: بھیّا تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ کیا بھگوان تم سے ناراض ہے؟

وشال: نہیں چھوٹے بھائی، میں تو ہر چیز کا ذمّہ دار خود ہوں۔ یہ سب کچھ میرا اپنا کیا ہوا
ہے۔ تو ان باتوں کو نہیں سمجھے گا۔

چھوٹے بھائی: کیوں نہیں سمجھوں گا۔ تم مجھے سمجھاؤ بھیّا، تمہیں سمجھانا ہوگا۔

وشال: تو کیا سمجھے گا، میں کیوں کھانستا ہوں، کیوں راتوں کو روتا ہوں، تو کیا سمجھے گا کہ
تیری بھابھی مجھ سے ناراض کیوں رہتی ہے۔ دیکھ بھائی میں نے ایک گناہ کیا ہے۔
وہ یہ کہ میں زندہ ہوں بس اس کے علاوہ اور کچھ میرے لئے ضروری نہیں۔

چھوٹے بھائی: پر تم تو یہاں دن بھر پڑے رہتے ہو۔ میں نے تمہیں کچھ کرتے
نہیں دیکھا۔

وشال: میں نے کیا ہی کہاں بھائی، میں نے تو صرف سوچا ہے، سوچا ہے کہ میں

کتنا اکیلا ہوں، پر تو یہ سب جان کر کیا کرے گا۔ یہ بتا کہ تیری بھابھی آئی کہ نہیں۔

چھوٹے بھائی: نہیں، دیر ہوگئی ہوگی۔ تم جب کام پر جاتے تھے تو تمہیں دیر نہیں ہوتی تھی؟

وشال: میں جس کام کے لئے پیدا ہوا وہ کبھی کیا ہی نہیں۔

چھوٹے بھائی: کیا کہتے ہو بھیا۔ میں سمجھ نہیں رہا ہوں۔

(اچانک کھانستا ہے، بچے ہوئے پانی کو پی لیتا ہے اور دم لیتا ہے)

وشال: یہ بھی ایک عجب چیز ہے، جیسے کہ کسی نے گلے میں آگ بھر دی ہو اور پورا سمندر بھی اس کو بجھا نہ پائے (باہر بجلی چمکنے کی آواز اور بارش)

چھوٹے بھائی: تم لیٹ جاؤ بھیا

وشال: کیا لیٹ جانے سے میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔

چھوٹے بھائی: آج تم ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہے ہو؟

وشال: آج مجھے پرانی باتیں یاد آرہی ہیں۔ آ تجھے ایک کہانی سناؤں، بہت سال پہلے ایک معصوم بچہ تھا، وہ گھاس پر کھیلا کرتا تھا، سبزہ اسے بہت پسند تھا، کہانی کے دیو نے سبزے کو چھین لیا اور اسے گھاس سے الگ کر دیا۔ اس بچے پر کیا گزری ہوگی۔ وہ بچہ بڑھ نہ سکا۔ وہ اندر ہی اندر مرتا گیا بھائی —!

چھوٹے بھائی: وہ بچہ کیوں نہیں رہا؟

وشال: زندہ رہنے کے لئے اسے گھاس کی ضرورت تھی، کہانی خراب تھی نا۔

چھوٹے بھائی: بہت خراب، ایکدم رام کے بن باس کی طرح، ہم ایسی کہانی نہیں سنیں گے۔

وشال: تم ایسی کہانی دیکھوگے، صرف وقت کو گزرنے دو۔

(اتنے میں باہر سے آواز آتی ہے ——— وشال، وشال)

وشال: دیکھو بھائی راجیش آیا ہے، اسے اندر بلالو۔ (راجیش ساتھ ساتھ اندر آتا ہے)

راجیش: ہیلو وشال، کیسی طبیعت ہے تمہاری؟

وشال: زندہ ہوں دوست۔

راجیش: یہی تیری خراب عادت ہے۔ یہ NEGATIVE ATTITUDE تیری جان کی دشمن ہے۔ تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ زندہ ہونا ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ بھگوان کا ایک تحفہ ہے۔ اس تحفہ کو سنبھال کر رکھنے کی کوشش تو نے کبھی نہیں کی۔

وشال: یہاں تک کہ ڈاکٹر نے بھی کہہ دیا کہ میں زیادہ دن......

راجیش: تیری باتوں سے مجھے درد کا احساس ہوتا ہے۔ کتنا فرق آگیا ہے تجھ میں۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں تو ایک آزاد پرندہ کی طرح تھا۔

وشال: اور آج تو میں ایک سہمے جانور کی طرح ہوں جس کے ذمہ کوئی کام نہیں، جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں۔

راجیش: پر تو چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا۔ اس سماج میں کچھ تو تبدیلیاں لا سکتا تھا۔ تیرے اندر زمانے سے ٹکرانے کی طاقت باقی نہیں رہی وشال۔

وشال: I AM NO MORE A SOCIOLOGIST میں سماج اور سماج کے رشتے پر گفتگو بھی پسند نہیں کرتا

راجیش: کیوں نہیں پسند کرتے، کیا میں سماج کا ایک حصہ نہیں؟ کیا تمہارا یہ تمنا سماج سے الگ ہے، کیا عینی سے تمہارا رشتہ ڈھونگ ہے؟ خود کو اتنا تو نہ بہکاؤ۔

وشال: سارے رشتے اپنے کو پہچان کرانے کی ایک کوشش ہے۔ ان رشتوں میں اب کوئی دم نہیں۔ تم اپنی بات کرو، پھولوں کی بات کرو، آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی بات کرو، وہ مجھے زیادہ عزیز ہیں۔

راجیش: تم خود سے بھاگ رہے ہو وشال۔

وشال: آج ہر شخص بھاگ رہا ہے۔ بس بے تحاشہ بھاگ رہا ہے۔

(باہر بجلی چمکتی ہے ، بارش تیز ہے)

وشال : (سگریٹ جلاتے ہوئے) باہر بہت بجلی اور طوفان ہے ، پورا نیچر ہماری صدی کی طرح بے ہنگم ہے راجیش ۔

راجیش : تو نے پھر سگریٹ پینا شروع کر دیا ہے ؟ تو جانتا ہے کہ تیرے لئے یہ کتنا خطرناک ہے ۔

وشال : کیا خطرہ اور کیا سکون ، سب برابر ہیں ۔

چھوٹے بھائی : (بیچ میں) بھیّا مجھے اس SUM کو بنانے میں مدد کرو ۔

وشال : بھائی یہ حساب کتاب کا چکّر راجیش سے پوچھو ، جب میں چھوٹا تھا تو یہ مجھے اکثر حساب میں مدد کرتا تھا ۔

چھوٹے بھائی : راجیش بھیّا ، اب تم لوگ بحث چھوڑو ، کچھ میرا بھی خیال کرو ۔

راجیش : ٹھہر ٹھہر میں تجھے حساب بتاؤں گا (وشال سے) ایک بات بتا وشال تجھے زندگی میں کون سی چیز اچھی نہیں لگتی ؟

وشال : مجھے یہ زندگی ہی اچھی نہیں لگتی راجیش ، ہر طرف ایک ہاہاکار ہے ۔ ہر آدمی ایک دوڑ میں مبتلا ہے ۔ کہیں رشوت ، کہیں بم کا دھماکہ ، کہیں چوری اور کہیں سینہ زوری ، اور پھر دنیا کے منظر کو دیکھو ۔ " امریکہ " اپنی کالونی اور " روس " اپنی کالونی بنا رہا ہے ۔ NON-ALIGNED SUMMIT کی باتیں جانب دار لوگ کر رہے ہیں ۔ اور کوئی اقتدار کے لئے خون کر رہا ہے ۔ یہ سب تمہیں اچھا لگتا ہے ؟

راجیش : بہت کچھ تو مجھے بھی اچھا نہیں لگتا لیکن انسان کی اپنی ذات بھی کوئی شئے ہے ۔ اپنی شخصیت بھی کوئی چیز ہے ___ اپنی شخصیت کو سنبھالنا ، اس کو بنائے سنوارے رکھنا ہمارا ایمان ہونا چاہیئے ۔ اپنے کو اس طرح دنیا کی باتوں میں الجھا کر توڑ پھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے ۔

وشال : تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے آپ کو قید کر لوں ۔ قومی اور بین الاقوامی دھارے

سے کوئی تعلق نہ رکھوں۔

راجیش: اب تجھے کون سمجھائے، تو اپنے فلسفہ کو لئے ہوئے مرجائے گا۔ آؤ بھائی (چھوٹے بھائی) تم کیا پوچھ رہے تھے۔

چھوٹے بھائی: مجھ سے یہ حساب نہیں بنتا، اور میں بنا کے رہوں گا۔

راجیش: VERY GOOD . GOOD ایسے ہی ارادے رکھو، ادھر لاؤ دیکھوں تو تو کہاں اٹک رہا ہے۔ (وہ دیکھتا ہے) ہوں تو یہ مسئلہ ہے۔

چھوٹے بھائی: یہ حساب کسی فارمولے پر اترتا ہی نہیں۔

راجیش: یہی غلطی ہوتی۔ تم نے فارمولے کی بات سوچی، دیکھو جتنی بڑی اعداد ہیں نا۔ ان کو پہلے کاٹو، پھر تمہارے لئے کان آسان O.K.

چھوٹے بھائی: THANK YOU راجیش بھیا۔

وشال: تو گویا یہ بھی کاٹ چھانٹ کی بات تھی۔ حساب کی طرح ہماری زندگی میں بھی بے پناہ کاٹ چھانٹ ہیں راجیش۔ کہیں درد، کہیں گھٹن، تم جانتے ہو ہم کس بھیانک موڑ پر آگئے ہیں۔

(اچانک بجلی اور طوفان) باہر سے ایک آواز، بابا کٹیا میں کوئی ہے؟

وشال: دیکھو راجیش کوئی ہمارے دروازے پر آیا ہے۔

(ایک بوڑھا فقیر داخل ہوتا ہے)

وشال: تم کون ہو بابا، اتنی رات گئے کیا کر رہے ہو، اس طوفانی رات میں۔

فقیر: ہمارے لئے ہر رات طوفانی ہوتی ہے بیٹا، اور ہر دن آگ میں جھلسا ہوا ایک بھیانک خواب! میں اپنی منزل سے بھٹک گیا ہوں۔ بھیک مانگتے شام ہوگئی۔ کیا تم میری بھوک کی آگ بجھا سکتے ہو؟

راجیش: تم نے ایک ویران گھر پہ دستک دی ہے۔ پر وشال کے دروازے سے کوئی مایوس نہیں لوٹا۔

وشال: دیکھو راجیش، ذرا بھائی کے ساتھ جا کر دیکھو، جو کچھ بھی گھر میں ہو لے آؤ۔

(راجیش بھائی کے ساتھ باہر نکل جاتا ہے) ہاں بابا بھیک مانگتے ہو تمہارے لئے کوئی سہارا نہیں ؟

فقیر: فقیر کا سہارا صرف اللہ ہوتا ہے بیٹا ۔ اور میں نے تمام دروازے بند پائے ہیں ۔

وشال: بابا تمہارے وقت میں لوگ کس طرح رہا کرتے تھے کیا وہ لوگ بھی اتنے الگ تھلگ تھے جتنے آج ہیں ۔

فقیر: بیٹا وہ دن آج بھی مجھے یاد ہے ۔ میں ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا ۔ اس وقت سورج کی آنکھوں میں اتنا غصہ نہیں تھا ۔ بیٹا اس وقت چاندنی بھی بڑی نرم تھی ۔ یہ آج کی طرح طوفان میں نے کم دیکھا ہے ۔ وہ تو پھوار ہوا کرتی تھی ، اور لوگوں کے چہرے خوشیوں سے تمتماتے تھے بیٹا ۔ ایک قصبہ تھا ہمارا گاؤں ، چھوٹا سا تھا لیکن ہر آدمی ایک دوسرے کو پہچانتا تھا ۔

وشال: اور آج تو کوئی کسی کو نہیں جانتا ۔ اپنے سائے کی طرف دیکھو تو وہ بھی منہ پھیر لے گا ۔ یہ کس گھڑی کا عذاب ہم سہہ رہے ہیں بابا !

فقیر: بیٹا اس دھرتی پر گھور پاپ ہوا ہے ۔ بڑے بڑے ظلم ہوئے ہیں ، تم نے دیکھا آج کتنی بارش اور طوفان ہے ـــــ اس بارش اور طوفان سے وہ گناہ کیا دھلے گا ۔ نہیں بیٹا نہیں ۔ آج تو انسان نے انسان کو مار ڈالا ہے ۔ انسان کے اندر جو جانور زندہ ہے ۔ اس کی تسلی بھی نہیں ہوتی ۔

وشال: ٹھیک کہا تم نے بابا ، آج ہر چیز کس قدر بے مطلب ہے ۔ کہیں کوئی معنی نہیں ۔ (خود سے) EVERYTHING IS MEANINGLESS

راجیش: لو بابا ، یہی کچھ روٹیاں اور دال ہیں ، اسے کھالو ۔

(اچانک وشال کو درد اٹھتا ہے ، وہ لڑکھڑاتا ہے)

وشال: راجیش ، درد بہت بڑھ رہا ہے دوست !

راجیش : تو کرسی پر بیٹھ جا وشال، میں تجھے دوا دیتا ہوں۔ (وہ پانی اور دوا دیتا ہے اور بابا فقیر غور سے یہ سب دیکھتا ہے، وہ دوا پی لیتا ہے اور کچھ سکون محسوس کرتا ہے)

فقیر: کیا ہوا تمہیں، یہ کیسی تکلیف ہے بیٹے ؟

راجیش : بابا یہ کیسی تکلیف میں کراہتا ہے آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ کیوں اندھیرے میں رہتا ہے میں نے سمجھا نہیں۔ ڈاکٹر بھی تھک گئے اور اس درد کا راز معلوم نہ کر سکے تم ہی دعا کرو بابا۔

فقیر: (کھانے سے اٹھ کر) بیٹا تو ٹھیک ہے نا۔

وشال: ہاں بابا، مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

فقیر: اے خدا یہ کیسا دور آگیا ہے، کسی کو درد کی وجہ بھی نہیں معلوم۔

(اتنے میں عینی رتھ داخل ہوتی ہے اور راجیش باہر جاتا ہے)

عینی رتھ : یہ کون صاحب ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں ؟

وشال: بابا کو بہت بھوک لگی تھی، انھوں نے تمہارا دروازہ کھٹکھٹایا۔

عینی رتھ : (وشال سے) تم نے ہمیشہ اس گھر کو دھرم شالہ سمجھا۔ کل کے کھانے کا کچھ رکھا ہے ؟ تم آرٹسٹوں کی زندگی میں کیا ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔

وشال: ہماری زندگی دوسروں کی بھیک نہیں عینی ؟ ہم اپنا جیتے ہیں۔

عینی رتھ : ہاں تم اپنا جیتے ہو جس کو کوئی جانتا پہچانتا نہیں۔ تم اپنا جیتے ہوئے جسے بیٹھ کر کسی اچھے ریستوران میں کھانے کی سکت نہیں ؟ ہاں تم وہی ہو جس کی کلا دربدر ٹھوکریں کھاتی ہے۔

وشال : میری کلا کو تم نے سمجھا ہی کہاں، تم کیا جانو کہ ہواؤں میں کتنے رنگ اڑتے ہیں۔ تم کو کیا معلوم کہ سمندر کی لہروں میں آوازوں کا تال میل کیا ہے۔ تم کو کیا معلوم کہ اس بوڑھے کی آنکھوں میں کتنے ان دیکھے زمانے پلتے ہیں۔

فقیر: بیٹا تم دونوں اس طرح نہ جھگڑو، تمہاری لڑائی کی وجہ میں ہی ہوں، میں چلا جاتا ہوں۔ پر بیٹی میری ایک بات سنو، کلا کی دنیا بہت عظیم ہے۔ اس دنیا میں انسان کھلتے ہیں بند نہیں ہوتے۔ اس کلا میں تو ہم انسانوں کی تاریخ چھپی ہے۔ کلا بہت عظیم ہے، کلا صرف کلا ہے۔

(یہ کہہ کر فقیر آہستہ آہستہ نکل جاتا ہے)

وشال: سنا عینی، کلا ہی سب کچھ ہے، دکھ سکھ، ہنسی مذاق، بھوک اور پیاس سب سے اوپر۔

عینی رتھ: (سامنے میز پر بیٹھتے ہوئے) ہاں تو اسی کلا کو اپنے پیٹ سے باندھ لو۔ اس کو اپنا لباس بنا کر پہن لو، اور اسی کو اپنے سر پر چھت سمجھ لو۔ اس کے علاوہ اور تمہیں کیا آتا ہے؟

وشال: عینی، بہت ہو گیا عینی، اس دن کو یاد کرو جب تم آنکھوں میں چمک لے کر کلا کے بارے میں سنتی تھیں، تم بھول گئیں کہ اسی کلا نے تم کو مجھ سے قریب کر دیا تھا۔ اس کلا کو آج تم گالیاں دے رہی ہو۔

عینی رتھ: زندگی صرف کلا سے چپکے رہنے کا نام نہیں۔ بولو تم مجھے کتنی خوشیاں دیتے ہو، بولو، تم نے مجھے صرف وعدوں کے علاوہ کیا دیا ہے۔ تم بزدل ہو، اپنی کمزوری برداشت نہیں کر سکتے۔ درد سے کراہتے ہو اور دوا کے پیسے بھی تمہارے پاس نہیں۔

وشال: I SAY KEEP YOUR MOUTH SHUT ورنہ ورنہ...

(درد سے کراہتا ہے پھر سنبھل جاتا ہے)

عینی رتھ: اب بھی JESUS کی طرف مڑ جاؤ، تمہارے گناہ دھل سکتے ہیں وشال۔

(دروازہ پر دستک ہوتی ہے)

عینی رتھ: میں نے FATHER DESOUZA کو بلایا ہے۔ وہ تمہارے لئے

PRAY کریں گے ۔

(فادر کو لے کر داخل ہوتی ہے) آئیے فادر، آئیے ۔

فادر : ہیلو SON تم کیسا ہے ؟ ہم کو عینی بولا تم بیمار ہے ؟

وشال : بیمار تو یہ پوری دنیا ہے فادر، آپ صرف میری بات کر رہے ہیں ؟

فادر : تم JESUS کو اپنا دکھ بولو وہ تمہاری مدد کرے گا ۔

وشال : کون JESUS فادر، جب انسان ہو کر آپ میری مدد نہیں کر سکتے ۔ اس دنیا میں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا ۔

فادر : SON، تم کو JESUS کا HEALING POWER نہیں معلوم، وہ ہر آدمی کی مدد کرتا ہے، وہ ہمارے واسطے صلیب پر چڑھ گیا ۔

وشال : مجھے ایسی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں فادر ۔

فادر : تو کیا تم گاڈ کو نہیں مانتا، اس کا بیٹا کو نہیں مانتا ۔

وشال : فادر، آج تک میں خود کو ہی تلاش کر تا رہا ہوں ۔

عینی رتھ : (کرسی سے اٹھ کر) تم نے آج تک اپنے سے بڑا کسی کو سمجھا ہے ؟ (یہ کہہ کر وہ غصّے سے چلی جاتی ہے)

فادر : (قریب آ کر سمجھانے کے انداز میں) SON تم اس دنیا کو دیکھو ۔ دیکھو SON روز سورج نکلتا ہے، روز چاند نکلتا ہے، دریا بھی بہتا ہے اور ہوا بھی چلتی ہے ۔ پوری سوسائٹی میں ایک سسٹم ہے بولو، تم بولو، یہ کیا ہے ۔

وشال : (ہنستے ہوئے) فادر آپ نیچر کے سسٹم کو بتا رہے ہیں اور میں آدمی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں ۔

فادر : اچھا یہ آدمی کیا ہے بولو، روز مرتا ہے، روز جنم لیتا ہے، بولو وہ کتنا بڑا پینٹر ہے ۔ ایک دم نیا نیا FACE دے کر سب کو یہاں بھیجتا ہے ۔ یہ سب گاڈ کا ہے وشال،

وشال : فادر آپ کچھ نہیں جانتے، اگر یہ سب گاڈ کا ہے تو ہم سب اس طرح اداس کیوں ہیں ؟

فادر : MORALITY سن، CORRUPTION ، ہم اس کو بھول گیا۔ اس کا راستہ بھول گیا، ہم خدا کو بھول گیا اس لئے اتنا CURSE ہے۔

وشال : آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں فادر، میں نے کوئی CORRUPTION نہیں کیا۔

فادر : میں تمہاری روح کو بچانا چاہتا ہوں۔ I WANT TO SAVE YOUR SOUL.

وشال : SOUL، آپ کس روح کی بات کر رہے ہیں فادر، جس پر کاری ضربیں لگ چکی ہیں۔ جس پر کئی صدیوں کی تنہائی کا بوجھ ہے۔ اس بوجھ کو ہم نہیں ہٹا سکتے۔ جائیے جا کر اس پورے منظر کو بدل ڈالئے جس میں انسان سہما ہوا سسک رہا ہے۔

فادر : سب کچھ ہو سکتا ہے وشال، اگر صرف تم چاہو۔ انسان نے کتنی ترقیاں کی ہیں، وہ خوش رہ سکتا ہے، BUT SON وہ راستہ بھول گیا ہے۔ تم آنکھ بند کر کے JESUS کو اپنے من میں اتارو، تمہارا SIN کم ہو جائے گا۔

وشال : میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے فادر، میں نے کسی کو بے وجہ تکلیف نہیں دی، آپ نہیں جانتے شاید، انسان نام کا جانور کتنا بھیانک ہو چلا ہے۔

عینی رتھ : OH, VISHAL تم کبھی نہیں سدھر سکتے، تم سیدھے جہنم میں جاؤگے فادر کی ایسی باتوں پر لات مارتے تم کو شرم نہیں آتی۔ SHAME ON YOU فادر، آپ ان کے لئے دعا کیجئے۔

فادر : او گاڈ، اس دنیا میں بہت ظلم و ستم ہیں، ہر طرف اندھیرا ہے۔ گاڈ، گاڈ اب کوئی نیا پیغمبر ہماری اس دنیا میں بھیج دے۔ ہماری روح تاریکیوں میں ڈوب گئی ہے، تو بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے دکھاؤ، او گاڈ،

IN THE NAME OF THE FATHER, THE SON & THE HOLY GHOST AMEN!

وشال: (روشنی کے ہالے میں ہنستا ہے، خوب ہنستا ہے اور درد اٹھتا ہے)
میں اس دنیا کا حصّہ دار نہیں، میں اس دنیا کا حصّہ دار نہیں، میں اس دنیا کا حصّہ دار نہیں۔ اپنے گاڈ سے بھیک مانگو، جاؤ جا کر سر جھکاؤ۔ بولو اس کو اس کا بندہ یہاں کیسی زندگی گزارتا ہے۔ میں ایک خاموش احتجاج ہوں، میں تنہا ہو کر اس دُنیا سے نہیں لڑ سکتا۔ تمہارا گاڈ بھی خالی ہو گیا ہے۔ میں اور نہیں سہہ سکتا، میں اور نہیں، اور نہیں ....
(اور پاگلوں کے انداز میں پیچھے کی طرف ہٹتا ہے اور بتّی بجھ جاتی ہے اور ہنسی کی آواز تیز تر ہوتی جاتی ہے)

(پردہ)

انتظار اور آگہی

۲

کردار:

راوی
اونیاش
راکی
احمد
موہن
بابا
ویٹر
اجنبی
دوست

—— اور ——

رام بھروسے
بھولا
جگموہن
فلپس
کویتا
رحیم چاچا
ڈاکٹر

یہ ڈرامہ پہلی بار ۲۳ اگست سنہ ۱۹۷۹ء کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں اسٹیج کیا گیا۔ اس میں مندرجہ ذیل فنکاروں نے حصّہ لیا۔

کردار	فنکار
اونیاش :	حسنین امام
راکی :	ظہیر انور
احمد اور بھولا :	خورشید اکرام
موہن :	معین اشرف
اجنبی :	مونیکا داس
بابا :	رفیق انجم
دیٹ [illegible] :	سرور حسین صدیقی
رام بھروسے :	محمد خالد رضا
فلپس :	سیّد ابو صالح
جگ موہن :	شکیل احمد
کویتا :	تاپتی بھٹا چاریہ
رحیم چاچا :	سرور حسین صدیقی
غیبی آواز :	رفیق انجم
ہدایت :	ظہیر انور
پلے بیک اور EFFECTS :	سرور حسین صدیقی

پہلا سین

(مقام: کلکتہ ــــــ زمانہ: حال)

(پردہ گرا ہے ـــــ خاموشی)

پس منظر سے ۔

یہ داغ داغ اجالا
یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا
یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں

(پردہ کھلتا ہے، اسٹیج پر مکمل تاریکی)

راوی: صاحبان یہ تاریکیاں جو آپ اس اسٹیج پر دیکھ رہے ہیں، بہت گہری ہیں۔ یہی تاریکیاں ہماری اس کھوکھلی صدی کی پہچان ہیں، یہی ہمارے ماتھے کا جھومر۔ صاحبان! ہمارے اس اسٹیج کو نہ دیکھیں، اپنے دل کو ٹٹولیں، وہاں بھی گھپ اندھیرا ہوگا، انھیں اندھیروں نے ہم کو جوان کیا ہے، اور انھیں کے سائے تلے سب کچھ ہوتا ہے لیکن آپ کچھ نہیں دیکھ سکتے، یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ چپ

چاپ کتنا عظیم گناہ ہوتا ہے اور کوئی معصوم اس کا شکار بنتا ہے ۔ آنکھ چوندھیا دینے والی روشنی میں یہاں ہماری تقدیریں لکھی جاتی ہیں اور ہم چپ چاپ سہہ لیتے ہیں ۔

(اندھیرے میں ایک کردار راکی سگریٹ یا حشیش جلاتا ہوا داخل ہوتا ہے)
کیا ٹیگور اور غالب کی زمین کو آپ نے معصوم خون میں لت پت دیکھا ہے ؟ اگر نہیں دیکھا ہے تو آج آپ اس ہوٹل کی میز پر آئے ہوئے ان نوجوانوں کو دیکھئے ـــــ یہ سائے کی طرح آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اور چپ چاپ گزر جاتے ہیں ۔

دیکھئے یہ کس کی آواز آرہی ہے ، یہ کون آرہا ہے کہ تمام نگاہیں اس کی جانب اٹھ رہی ہیں ـــــ ہاں یہ روشنیاں لئے آرہا ہے ۔

(SPOT LIGHT میں اونیاش کا داخلہ) ارے یہ تو اونیاش ہے یہ کیا وہ اکیلا ہوگیا ـ بھیڑ میں بے پناہ تنہائی ـــ آئیں چلیں ، اس کو دیکھیں اور اسی کو سمجھیں کہ وہ ہماری دکھ درد بھری سنگین صدی کی پہچان ہے ۔

(اسٹیج پر روشنی ، پورا اسین HOTEL ADARSH کا ہے ۔ کئی ایک خریدار بیٹھے ہیں ۔ اونیاش کے دوست بھی ادھر اُدھر ہیں ۔
بیان کے درمیانی حصے میں راکی داخل ہوتا ہے اور دوستوں کو ہاتھ کا اشارہ کر کے بیٹھ جاتا ہے ۔ یہاں کے آخری حصے میں اونیاش داخل ہوتا ہے ۔ SPOT LIGHT بڑھتی ہوئی FULL LIGHT میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا بابا داخل ہوتا ہے ـــــ روشنی بڑھتی ہے اور احمد داخل ہوتا ہے ۔)

احمد : ارے یار اونیاش ! اتنے چپ کیوں ہو کیا کسی کی موت ہو گئی ۔
(وہ چاپ چاپ اسے تکتا ہے اور مسکراتا ہے)

ارے یار مجھے اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ دیکھو یہ ہر لمحہ اداس رہنا چھوڑ دو، جینا سیکھو، بس بے تحاشا جینا، یہ دیکھ رہے ہو مرے ہاتھ میں کیا ہے، ارے اونیاش یہ چار مینار کا دھواں نہیں، یہ دھواں حشیش کا ہے، لو ایک دو کش لو، پھر تمہاری تھکن تمہاری جیب میں، اونیاش کب تک یوں اپنے آپ کو دھوکہ دو گے، کب تک اس طرح نشہ تمہارا ساتھ دیتا رہے گا۔

راکی: HE IS CRAZY. اسے پاگل خانہ بھیجو۔

احمد: دوستوں کو اس طرح نہیں کہتے راکی۔

راکی: دوست! لو بھئی دوستی کا ذکر کہاں سے آگیا۔ یہ لفظ تم نے کب سیکھا، یہ سب مُردوں کے ساتھ تھیں، انھیں کے ساتھ رہنے دو۔

اونیاش: ROCKY تمہارا ذہن تمہارے نام کی طرح ایک چٹان ہے۔ تم نے کبھی کچھ سمجھا ہے جو اب سمجھو گے، تم نے کبھی کسی کو روتے دیکھا ہے۔

راکی: واہ واہ بہت خوب، کیا خالی پیلی ڈائیلاگ مارا یار۔ نوٹ کر لوں کیا؟

اونیاش: دوست، تمہارا یہ شہر جو کچھا کھچ بھیڑ سے بھرا ہوا ہے۔ اپنی موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اک اندھیرا چھا رہا ہے، جو تم کو اور تمہارے شہر کو نگل جائے گا۔ ٹیگور کی اس بستی میں تم کہاں سے چلے آئے۔

راکی: یہ سب بکواس ہے، بند کرو اپنی بکواس، میں مانتا ہوں تم بہت ذہین ہو، میں مانتا ہوں تم نے بہت پڑھا اور لکھا ہے، تمہارے ذہن میں آنے والا دن بہت خوبصورت ہے، لیکن ٹھہرو وہ دن کبھی نہیں آئے گا، کبھی نہیں آئے گا جب تم کھل کر ہنسو گے، وہ دن نہیں آئے گا جب جوانی ترسنا چھوڑ دیگی، تم نہیں ترستے، تم کو کیا نوکری ملی، تم کو کیا تمہارے ذہن نے پیٹ بھر کھانا دیا، تم تو امیر باپ کے بیٹے تھے، پھر آدرش نے تمہیں کہاں لا کر چھوڑا۔ جاؤ جاؤ واپس جاؤ ہمارا سماج یہی ہے، حشیش، ہمارا سماج میں گالی ہے جو ہم دیتے جا رہے ہیں، سُنتے جا رہے ہیں۔

احمد : ROCKY تم غلط راستے پر چل پڑے ہو، تمہیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس گالی کو بند کرنی ہے جو آج تمام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے، اس دھوئیں کو چیر کر پھینکنا ہے جو تمہاری دنیا کو اندھا کئے ہوئے ہے۔

(اچانک ــــ بوڑھا جو کونے کی ٹیبل پر بیٹھا ہے، بے تحاشہ ہنستا ہے، ساری روشنی اس پر)

بابا : ہاہاہا، گالی بنتی ہے، دھواں چیرنا ہے، سماج بدلنا ہے، ہاہاہا، کون پاگل بک رہا ہے، ہاہاہا، سب پاگل ہیں، سب پاگل ہیں، میں روز تم لوگوں کو دیکھتا ہوں، جاؤ جاؤ اپنے گھروں کو جاؤ اور اخبار میں نوکری تلاش کرو۔

ویٹر : (اندر آتے ہوئے) ابے چپ بڈھے، جوان لڑکوں کو بحث کرتے دیکھا نہیں کہ تو بھی بکنے لگا۔ چپ رہ، بحث کرنا تو ان کی زندگی ہے۔ ہاں بھائی بولو، کچھ آرڈر دے گا کہ خالی بات کرے گا۔

راکی : دو چائے لا گرم گرم، بہت انرجی بیکار ہوگیا ہے۔ اب پھر سے ہم کو تازہ ہونا پڑے گا، اونیاش پیئے گا؟

اونیاش : کب تک چائے پلاؤ گے۔ کب تک، دیکھو جا کر بڑی بڑی عمارتوں اور آفسوں میں بیئر کی بوتل پر فیصلے کئے جاتے ہیں، یہ فیصلے تم سُن نہیں سکتے، اس کو بڑھ کر بدل ڈالو، میں بہت اکیلا پڑ گیا ہوں، تم سبھوں کا ساتھ چاہتا ہوں، چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ بدل جائے، سب کچھ، اگر یہ سب کچھ نہیں بدلا تو میں کہہ دیتا ہوں کہ تمام لوگوں کی موت یقینی ہے ــــ اٹھو اور اس دھرتی کے چہرے پر چاقو چلاؤ ..

ویٹر : لے باپ چائے، کم بول، ادھر کوئی سُن لے گا تو ہوٹل کا لائسنس بھی کینسل کر دے گا۔

(ہنسی اور آہستہ آہستہ اونیاش پیچھے ہٹتا ہے، روشنی اس کے چہرے پر)

راوی : (پس منظر سے) گھبرا گئے اونیاش، اپنے من کے سماج بنانے والے، ایک

ویٹر کے جملے پر چونک گئے ـــــ کیا ان لوگوں کی ہنسی کھا گئی تمہیں، تم بزدل ہوتے جا رہے ہو، زمانہ تم کو کیا کہے گا۔

اوناش : نہیں نہیں، وہ سورج اُگے گا، وہ سورج ضرور اُگے گا، جب سب کے گھر اجالا ہوگا۔

یہ کہتے ہوئے وہ بھاگتا ہوا باہر جاتا ہے۔ اپنا سامان چھوڑے ہوئے۔

(بیگ اور اخبار) روشنی

ویٹر : اے باپ تم لوگ ادھر سے کب کھسکے گا؟

راکی : ابے اپنی جگہ سے تو سب کھسک گئے، تو ادھر سے کھسک نہیں تو........

ویٹر : دیکھو دیکھو ہم سے مذاق مت کرو، ہم ادھر آفس سے مینجر کو بلاتے گا اور تم لوگوں کو اٹھا کر پھینکوائے گا۔ صبح شام کچھ نہیں کرتا بس ادھر آکے اڈہ مارے گا۔

احمد : جا جا بُلا مینجر کو، وہ کیا کرے گا؟

موہن : (جو اب تک اخبار میں ڈوبا تھا) یار .KINGS & CO میں SALES REPR-ESENTATIVE کی ضرورت ہے۔ دیکھ دیکھ آج کے اخبار میں اشتہار چھپا ہے۔

راکی : ابے چپ تیرے پاس کوئی M.L.A ہے۔ اگر نہیں ہے تو چپ چاپ کالی چائے پی اور ہنستا رہ۔

موہن : تم، یار تم کبھی تو سیریس ہو جاؤ۔ ہر بات کو مذاق میں لے لیا کرتے ہو۔ ہم آخر کس طرح اپنے حالات سدھاریں گے۔

راکی : جانتا نہیں اوناش کہتا ہے کہ ہم سدھریں گے نہیں تو مریں گے۔ اپنی موت کا انتظار کر رہیں تو ہنس کر مروں گا۔

موہن : میں مرنا نہیں چاہتا ہوں۔ میں تو اس چھوٹی سی زندگی کو بنانا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں ہنس کر مرنا ہے تو مر جاؤ، میں تو اس نوکری کی درخواست کروں گا۔

(اتنے میں اونیاش کی محبوبہ رجنی آتی ہے)

رجنی: اونیاش کہاں ہے، مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔

احمد: آؤ آؤ رجنی، کیسے آنا ہوا، اونیاش آ ہی جائے گا، وہ اپنی چیزیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔

مومن: اسے کسی لائبریری میں تلاش کرو، اس کو خوابوں میں ڈھونڈو۔ ارے وہ تو آدرش وادی ہے، اپنی وادی میں گھومتا ہوگا۔ تم اسے یہاں ڈھونڈنے آئی ہو، حیرت ہے!

ڈیٹر: ارے، ارے، کوئی لفڑا نہیں کرے گا باپ۔

(سب اس کی طرف دیکھتے ہیں)

راکی: ابے چپ! لو وہ اونیاش آ رہا ہے۔

(رجنی دوڑ کر اس کے ہاتھوں کو پکڑتی ہے)

اونیاش: تم یہاں، کیا بات ہے، سب خیریت تو ہے۔ (اچانک بتی بجھتی ہے اور صرف رجنی اور اونیاش پر رہتی ہے)

رجنی: تم مجھ سے جلد شادی کر لو اونیاش، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میرے ماں باپ میری شادی ایک بوڑھے سے کرانا چاہتے ہیں۔

اونیاش: لیکن اتنی جلدی کیسے ہو سکتی ہے، میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔

رجنی: اونیاش ضد نہ کرو، بہت دیر ہو چکی ہے۔

اونیاش: رجنی تم میرے لئے سیندوری کا ایسا تصور جسے گناہ چھو نہیں سکتی۔

رجنی: لیکن اس تصور سے میرا پیٹ تو نہیں بھرے گا۔

اونیاش: تم سمجھنے کی کوشش کرو رجنی، ہمارا بیاہ ابھی نہیں ہو سکتا۔ ابھی مجھے بہت آگے جانا ہے۔ ابھی تو میں تمہاری ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکتا۔ یہ زندگی اتنی آسان کہاں ہے۔

رجنی : کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ۔

اونیاش : ہاں، اس کے علاوہ میں کیا کر سکتا ہوں ۔

رجنی : (غصہ اور آنسوؤں کے درمیان) بزدل، کائر، میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے کمزور ہو، کہاں گیا وہ تمہارا فلسفہ، کیا ہوا وہ سپنوں کا گھر، تم نے مجھ کو برباد کیا ہے، تم زندگی بھر پچھتاؤ گے، میں جا رہی ہوں اور پھر کبھی تم کو اپنی صورت نہیں دکھاؤں گی ۔ (یہ کہہ کر وہ بھاگتی ہے)

(اونیاش رجنی رجنی چلاتا ہوا آگے بڑھتا ہے)

بابا : (قہقہہ لگا کر) سب پاگل ہیں، سب پاگل ہیں۔ (روشنیاں آتی ہیں)

احمد : یار تو شادی کیوں نہیں کر لیتا۔ شاید کہ تیری زندگی پلٹا کھائے ۔

اونیاش : میں ہاتھ کی ریکھاؤں پر بھروسہ نہیں کرتا ۔

موہن : صرف عقل کی ریکھاؤں پر بھروسہ کرتے ہیں ۔

اونیاش : آج کا ہر آدمی عقل سے کام لیتا ہے۔ ہماری صدی عقل کی وجہ سے جانی پہچانی جاتی ہے ۔

احمد : چھوڑو یار۔ یہ کہو کہ تمہارا انٹرویو آیا کہ نہیں ۔

اونیاش : کل انٹرویو ہے ۔ راکی بھی انٹرویو کے لئے جا رہا ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس بار تو میں یہ نوکری حاصل کر کے ہی رہوں گا، بڑی محنت کی ہے، بے اندازہ میں نے خاک چھانی ہے، بڑی کمپنی ہے، نوکری ہو گئی تو تنخواہ بھی اچھی ہو گی اور پھر ہماری شادی ۔

(اتنے میں دوڑتا ہوا ایک دوست داخل ہوتا ہے، ہانپتا کانپتا ہے)

دوست : اونیاش! اونیاش! رجنی کا ACCIDENT ہو گیا۔ جلدی چلو۔

اونیاش : نہیں، بکتا ہے۔

دوست : نہیں تم جلدی چلو، لوگ اسے اسپتال لے گئے ہیں۔ (سب نکل پڑتے

ہیں۔ ویٹر پیچھے سے ٹوکتا ہے)

ویٹر: ارے پیسہ دے باپ، پیسہ! (وہ لوگ نکل جاتے ہیں، گھپ اندھیرا، اتنے میں بوڑھا ابھرتا ہے)

بابا: سب پاگل ہیں، سب پاگل ہیں، سب پاگل ہیں۔

(وہ گیٹ کی دوسری جانب بڑھتا ہے)

ویٹر: ارے بڈھے، ادھر نہیں، ادھر ادھر

بابا: اس دنیا میں سب پاگل ہیں؟ سب پاگل۔

(یہ کہہ کر وہ نکل جاتا ہے)

ویٹر: جتنا بیکار آدمی سب ادھر آکے اڈہ مارتا ہے، سالا سمجھتا ہے۔ یہ لوگ بہت پڑھا لکھا ہے، ان کو نوکری چاہیئے، سالا ہم کو نہیں دیکھتا، ادھر سالا میٹرک پاس کر کے ویٹر بنا۔ یہ لوگ افسر بننا چاہتا ہے، ہوں!

(اور وہ میز صاف کرنے لگتا ہے)

(پردہ)

دوسرا سین

(آفس کا منظر، دو نوکر صفائی میں لگے ہوئے ہیں)

راوی: صاحبان! آپ نے دیکھا کہ اس دور کا المیہ شروع ہو چکا ہے۔ اور اب اس درد بھری کہانی کو زہر کا اک گلاس دیا جائے گا اور اس سے اس کی تمام امیدیں چھین لی جائیں گی۔ یہ ہمارے اونیاش کی آخری کوشش ہے، اور جینے کی آخری لپک، دیکھئے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، کیوں اس آفس کو اسقدر جھاڑنے اور صاف کرنے پر تلے ہیں، یہ معصوم لوگ کچھ نہیں کرتے۔ یہ صرف دیکھتے ہیں اور بھیانک چہرہ دیکھتے ہیں۔

رام بھروسے: ارے ای بابو لوگ روز کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرتے ہیں، کبھی میز ہٹاؤ کبھی میز لگاؤ، آتا جاتا کچھ بھی نہیں لیکن ضرور لوگن کو بلاتے ہیں۔ اسے ہلکان کرتے ہیں اور پھر کوئی آدمی زبردستی ہماری کمپنی میں آبیٹھتا ہے۔ ارے بھولا تو کام کر کے تھکتا نہیں۔

بھولا: (زمین پوچھتے ہوئے) کیا تھکوں رام بھروسے، میرے گھر میں تین تین بچے ہیں۔ ماں ہے، بہنیں ہیں اور بیوی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم تھک گئے ہیں۔ پر کام نہ کریں تو پیٹ کیسے پالیں۔ بس رات کو ذرا دارو کا دم لگاتے ہیں اور صبح تک سوتے ہیں۔ دارو پیئے گا، میرے پاس اب بھی ہے۔

رام بھروسے: ابے تو یہاں بھی دارو لے کر آگیا۔ صاحب لوگوں کو پتہ چلا تو۔

بھولا: ارے صاحب لوگ نہیں پتہ کیا۔ ارے انگلس پیتا ہے، انگلس۔ ان لوگوں

کے منہ سے تو مندر میں بھی باس آتی ہے۔ پر انگلس ہے بہت جاندار۔ اندر جانے

سے پری کا چہرہ آنکھ میں ناچتا ہے۔

رام بھروسے: ابے کام کر کام۔ ابھی صاحب آئیں گے اور دیکھیں گے کہ کام نہیں ہوا تو

بس سمجھو چھٹی۔

بھولا: ارے یہ کیا چھٹی دیں گے، ہم پر ظلم کرتے ہیں اور ان سے اوپر والے کو معلوم ہو کہ

رات انگلس پی کر اپنے روم میں سکریٹری سے کیسا مذاق کیا تھا تو اس کو بھی نکال

دیں۔ اور وہ جو اسد بھائی گوٹی والا سے ٹیبل کے نیچے جو ہوتا ہے وہ......

رام بھروسے: ابے چپ، اپنی اوقات دیکھ، تین بچے اور بیوی کی سوچ، جلدی کر ــــ

سالا لوگ آتا ہوگا۔

بھولا: ارے آنے دے، ذرا چھوکریا کو لے کر آوے، تب نا مزا آتے ہے،

سالی کیا کراری ہے۔

رام بھروسے: ارے سالا تو بڑا حرامی ہے، تو نے اسی چھید سے سب کچھ دیکھا ہے نا؟

بھولا: ہاں رام بھروسے، ہر دیوار میں ایک چھید ہوتی ہے، اسی سے تو سب راز باہر آتا

ہے، سالا ٹیبل کے نیچے کے پیسے سے کمرہ کے اندر خوب مستی مارتے ہیں، ذرا

محنت کریں تو جانیں!

رام بھروسے: ابے تیری عقل تو جیب میں ہے، بڑے لوگ کام نہیں کرتے کام

کرواتے ہیں۔

بھولا: ٹھیک بالکل ٹھیک، اگر ہم بھی امیر لوگ ہوتے تو کیا کرتے؟

رام بھروسے: (کچھ ہندی گانے کے بول دہرا کر) ارے موج مناتے۔

بھولا: موج، پر اب کام کر، نہیں تو ہم لوگ گم ہو جائیں گے۔

(پھر وہ دونوں گاتے ہیں اور صاف کرنے میں مگن ہیں، ایک لمحہ کے لئے

بتی جاتی ہے اور آواز)

(وہ لوگ پوچھتے ہیں اور رام بھر دسے کچھ گانے کے بول دُہراتا ہے۔ اتنے میں آفس روم کے گیٹ کے سامنے جو لوگ کھڑے ہیں اس کو ہٹا کر ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ جلدی کرو DIRECTORS آگئے ہیں)

راوی: آج کے دن آفس کے اس کمرے میں کتنی زندگیاں مجبور ہو جائیں گی لوگ یہاں آتے ہیں اور امیدوں کے ساتھ آتے ہیں اور پھر وہی ہوتا ہے جو ہونے کے لئے سوچا جاتا ہے۔

(DIRECTORS اندر داخل ہوتے ہیں)

جگموہن: ارے یہ کیا تم لوگ اب تک اس آفس کو صاف کرنے میں لگے ہو کام چور کہیں کے ——— PHILIP ہاں تو مسٹر COME ON, GET OUT کچھ اور ناؤ۔

فلیپس: میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس سماج کو کچھ ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو یتیم بچوں کی زندگی سے پیار کرے۔ سیٹھ دیانند نے اس سال اناتھ آشرم کو ۳۰ ہزار دان کئے ہیں۔ HE IS A GOOD MAN.

جگموہن: اور اس بیچارے پیپر کو بھول گئے جب دیانند نے نابینا لوگوں کے لئے ہزاروں کے چیک دئے تھے۔ ہمارا مالک بہت شاندار ہے وہ ہمیشہ دکھیاروں کی مدد کرتا ہے۔ پر ڈیر، اس کی آمدنی جس راستے سے آتی ہے وہ مجھے پسند نہیں

فلیپس: THAT IS NONE OF YOUR BUSINESS چلو انٹرویو کی رسم پوری کرتے ہیں۔ ذرا جلدی کرنا مجھے آج BLUE HORIZON میں ڈنر لینا ہے۔ میری بیوی وہاں انتظار کرتی ہوگی۔

جگموہن: کیا اکیلی ہوگی وہ۔

(اتنے میں BUTTONS گھنٹی بجاتا ہے ...... بک کو بلاتا ہے۔ ونل

دیکھتا ہے اور کہتا ہے)

فلپس: جاؤ اور جا کر ROCKY نام کے امیدوار کو بھیجو!

(PHILIPS اور جگموہن اپنی چیئر پر، روشنی ان کی جانب ——)

ROCKY' SMARTLY اندر جاتے ہیں اور روشنی اس کے قدموں پر پڑتی ہے۔

راکی: GOOD MORNING GENTLE MEN.

جگموہن: BE SEATED

راکی: THANK YOU, SIR

فلپس: آپ اس سے پہلے کہاں کام کرتے تھے؟

راکی: کہیں نہیں، اس سے پہلے نوکری ملی ہی نہیں، بس ہنس کر جیتا رہا ہوں۔

فلپس: لیکن ہماری کمپنی میں تجربہ کی ضرورت ہے۔ ہنسی کی نہیں، ہماری کمپنی کوئی نوٹنکی نہیں۔

راکی: SIR، کہیں اگر کام ملے تب تو تجربہ حاصل کروں، ورنہ انسان آپ ہی آپ تجربہ کار کیسے ہو سکتا ہے، آپ، کام دیں میں تجربہ کرتا ہوں۔

جگموہن: اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے .M.A کس سال پاس کیا ہے؟

راکی: ۱۹۷۴ء میں۔

جگموہن: ہاں تو مسٹر راکی، آپ، ہمیں یہ بتائیں کہ آپ یہ نوکری کیوں کرنا چاہتے ہیں؟

راکی: میں یہ نوکری اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑی کمپنی ہے، اس میں کامیابی کے بے پناہ راستے ہیں۔

جگموہن: (ٹہلتے ہوئے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایک سیلزمین کو کیا کرنا پڑتا ہے۔

راکی: ایک سیلزمین کو اپنی کمپنی کے سامان کی کھپت کرانی پڑتی ہے۔ اپنی باتوں اور اپنی

ہنسی سے لوگوں کا دل جیتنا پڑتا ہے اور میں یہ دونوں ہی کر سکتا ہوں۔

فلپس : BY THE WAY ONE MORE QUESTION آج کل کے ٹریڈ یونین کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا آپ ٹریڈ یونین کی حمایت کرتے ہیں۔

راکی : ضرورت کے تحت آدمی سب کچھ کرتا ہے، اور اپنے حالات کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کرتا ہے، میں نے آج تک کمپنی کے مالک اور ٹریڈ یونین کے جھگڑے سُنے اور پڑھے ہیں، دیکھے نہیں ہیں۔ آپ کی کمپنی میں نوکری ملی تو میں بتا پاؤں گا کہ میرا کیا خیال ہے۔

فلپس : O.K. ! YOU MAY GO NOW.

(اندھیرے میں راکی واپس جاتا ہے۔ روشنی اب بھی ڈائریکٹر پر ہے)

جگموہن : HE IS A SMART BOY. ایسا لگتا ہے کہ یہ لڑکا کبھی نہ کبھی ترقی کرے گا۔

فلپس : صرف SMARTNESS سے زندگی نہیں بنتی۔ اس کے لئے ایک اعلیٰ دماغ اور بڑی سوسائٹی کی ضرورت پڑتی ہے جگموہن۔ (بیل بجاتے ہوئے) رام بھروسے! دوسرے امیدوار اونیاش کو بھیجو۔

رام بھروسے : جی صاحب! ابھی بُلاتا ہوں۔

(اونیاش اسٹیج پر)

اونیاش : پرنام صاحب!

جگموہن : کیا آپ انگریزی نہیں جانتے جو پرنام کر رہے ہیں۔

اونیاش : جانتا ہوں، لیکن اپنے دیش کی سنسکرتی اور سبھیتا کو بھولا نہیں ہوں۔

فلپس : اس سے پہلے کہیں نوکری کی ہے آپ نے؟

اونیاش: اس سے پہلے میں نے صرف پڑھائی کی ہے اور ابتک اسکے پھل کیلئے ترس رہا ہوں
فلپس: ترسنے والے کو اس دنیا میں کچھ نہیں ملتا مسٹر اونیاش! چھیننا پڑتا ہے۔
اونیاش: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیگور اور گاندھی نے ہمیں جہاں اہنسا کا سبق دیا ہے وہیں مجھے ہنسا کی تلاش کرنی پڑے گی۔
جگموہن: EXACTLY MR. AVINASH۔ ان لوگوں کے فلسفے آج انہیں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اچھا آپ اپنے بارے میں تو کچھ بتائیے۔
اونیاش: میں نے آج تک زندگی میں معصومیت کی تلاش کی ہے۔ اور مجھے ہر نگاہ میں خون کے دھبے ملے ہیں۔ میں نے آج تک خود کو بچپنے سے محفوظ رکھا ہے اور اسی لئے میری ان آنکھوں میں سیاہ بادل رہتے ہیں، میں نے جو کچھ بھی پڑھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور بے پناہ تجربہ ہونے کے باوجود بھی میرے پاس کوئی تجربہ نہیں، میں اپنی اسی دنیا کی پہچان ہوں۔
جگموہن: STOP IT. I SAY. میں نے تم سے فلسفہ نہیں پوچھا
اونیاش: میں نے آپ سے کوئی فلسفہ کہا ہی نہیں، صرف سچ کہا ہے۔
جگموہن: یہ بتائیے آپ کو سیلزمین کے کام میں دلچسپی کیوں ہے، کبھی کسی کمپنی میں آپنے پہلے بھی نوکری کی ہے؟
اونیاش: صاحب! مجھے دلچسپی سیلزمین کے کام سے نہیں بلکہ صرف کام سے ہے۔ آج تک اس دھرتی پر جو کچھ بھی ہو سکا ہے اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ لوگ جائز مقام پر لگن سے کام کرتے رہے ہیں۔ اگر مجھے سیلزمین بننا پڑے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔
فلپس: GOOD! VERY GOOD. اب آپ جا سکتے ہیں۔
اونیاش: تو کیا میں امید رکھوں کہ بنا کسی سفارش کے مجھے یہ نوکری مل جائے گی۔

فلپس : امید رکھ سکتے ہیں۔ اس امید پہ ہی تو ہندوستان آگے یا پیچھے ہٹ رہا ہے۔ ہم آپ کو اطلاع دیں گے۔

جگموہن : اس لڑکے کے اندر TALENTS ہیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں ایک چمک دیکھی ہے PHILIPS —— تمہارا کیا خیال ہے۔

فلپس : مسٹر جگموہن، چمک اور TALENTS (ہنستا ہے) میرا خیال تیسرے انٹرویو کا ہے۔

(اب تیسرے امیدوار کی باری ہے، رام بھروسے لڑکی سے کہتا ہے کہ جائیے میم صاحب! ایک جوان لڑکی خوبصورت ساڑی میں ملبوس اسٹیج پہ آتی ہے۔ ساری روشنی اس لڑکی پر —— DIRECTORS ہلکی روشنی میں ہاتھوں کے اشارے سے کہہ رہے ہیں کہ لڑکی چلے گی)

فلپس : PLEASE BE SEATED. اچھا، تو مس آپ کا نام کیا ہے؟

لڑکی : MISS KAVITA.

جگموہن : آپ کا مطلب KAVITA، POETRY یعنی شاعری سے ہے۔ آپ کی طرح آپ کا نام بہت خوبصورت ہے۔

فلپس : اچھا تو MISS KAVITA آپ نے پہلے بھی کہیں کام کیا ہے؟

لڑکی : NO SIR ! یہ میرا پہلا انٹرویو ہے۔

جگموہن : پہلا انٹرویو —— NO PROBLEM ہم سب سنبھال لیں گے۔

فلپس : MISS KAVITA ان سے ملو - HE IS ONE OF THE DIRECTORS MR. JAGMOHAN -

جگموہن : اچھا مس کویتا، کیا آپ SHORTHAND یا TYPEING جانتی ہیں۔
میں تھوڑا تھوڑا سب کچھ جانتی ہوں۔

فلپس : لیکن مس کویتا، آپ کو ہماری کمپنی میں اکثر OVERTIME کرنا ہوگا اور ہاں کبھی کبھی

رات کو گھر بھی نہیں جانا ہوگا ۔

کویتا : او کے سر، میں اس کے لیئے تیار ہوں ۔

جگموہن : تو بس سمجھئیے کہ آپ کو نوکری مل گئی ۔

فلپس : (اس کو سامنے لاتے ہوئے) CONGRATULATIONS مس کویتا !

(اچانک ـــ اونیاش داخل ہوتا ہے)

اونیاش : تو آپ نے اپنے امیدوار کو چن لیا ہے نا ڈائریکٹر صاحب !

جگموہن اور PHILIPS : (ایک ساتھ) تم یہاں ۔

اونیاش : کیوں چونک گئے مجھے دیکھ کر، ارے صاحب یہ ناانصافیاں تو برسوں سے کرتے چلے آرہے ہیں ۔ یہ ظلم تو آج ہندوستان کے ہر گوشے میں ہو رہا ہے ۔ پھر اس پر یہ حیرت کیوں، لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے تم لوگوں کے کردار کو دیکھا ہے ۔ یہ بھیانک روپ، یہ گالوں پر پڑی شرابوں کی چمک ـــ ، یہ بھڑکتا سوٹ نہ جانے کتنے دل اور زندگیوں کو زخمی کرنے کے بعد تمہیں ملا ہوگا، تم سب کم ظرف ہو، ایک ایسا سڑا ہوا گھاؤ جو ہمارے سماج کو اندر ہی اندر کھا رہا ہے ۔

فلپس : SHUT UP, YOU FOOL, رام بھروسے، بھولا ۔

(دونوں دوڑتے ہوئے آتے ہیں اونیاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اسے اٹھا کر باہر پھینک دو ۔

اونیاش : ارے او کمینے انسان، بلند آواز میں مجھ سے بات نہ کر، جو اس ملک کی تقدیر کو مٹی میں ملاتا آیا ہو، وہ انسان نہیں جانور ہے ۔

جگموہن : SHUT UP, YOU RASCAL

(اونیاش کو دونوں نوکر دھکا دے کر باہر کر دیتے ہیں)

اونیاش : (جاتے جاتے) ارے صاحب، تمہارا یہ سماج آخر کتنے دنوں زندہ رہے گا،

کتنے دنوں تک ۔

فلپس : مسٹر جگموہن THEY ARE JUST GREAT FOOLS ۔ ایسے کتنے امیدوار میرے سامنے آئے اور گئے ، کتنے اونیاش کو میں نے گٹر میں لت پت دیکھا ہے ، سڑکوں پہ خون تھوکتے مرتے دیکھا ۔ یہ آئے ہم کو آنکھیں دکھانے ۔ غریبی کا یہ کیڑہ ۔ JUST SPIT ON HIM

جگموہن : ہاں یار ، کیا سمجھتے ہیں یہ لوگ اپنے آپ کو ۔ راستوں کا یہ بھکاری ، جس کی زندگی سوائے ایک گناہ کے کچھ بھی نہیں ، ہماری آبرو پہ ہاتھ اٹھاتے ، وہ ہمیں دھمکیاں دے ، میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ کم ظرف کو ایک جھٹکے میں ختم کروا دوں ۔ کمبخت نے آج سارا موڈ خراب کر دیا ۔

فلپس : DON'T WORRY JAGMOHAN کل تو کویتا آ رہی ہے ۔ رامو ، رامو ، دو لارج بنانا ۔ !

(پردہ)

تیسرا سین

(ایک کمرے کا سین، معمولی سا گھر، ایک پلنگ پر بکھری ہوئی کتابیں، کونے میں ایک صراحی، کچھ جوڑے کپڑے لٹک رہے ہیں۔ دیوار پر مارکس کی ایک تصویر اور دوسرے کونے میں ٹیگور کی تصویر ——— اسٹیج کے بائیں جانب ایک READING TABLE اور کتابیں۔ پیچھے ایک معمولی بستر، جس پر بوڑھا رحیم چاچا سویا ہوا ہے۔ کتابوں کے بیچ اونیاش کا چہرہ درد اور کرب میں لپٹا ہوا، سامنے شراب کی بوتل اور چند گولیاں ہیں، وہ پوری بوتل کو منہ سے لگاتا ہے، کھڑا ہوتا ہے، لڑکھڑاتا ہے اور پھر کہنے لگتا ہے)

اونیاش: ــ یہ کیا طلسم ہے کہ رات بھر سکتا ہوں میں
یہ کون ہے جو دئیے میں جلا رہا ہے مجھے

آج کی رات میری زندگی کی آخری رات ہے۔ آج ایسا احساس جاگتا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ وہ خون جو میری رگوں میں دوڑتا ہے، اس کی توانائی کھو گئی ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا، رتنی تم کہاں چلی گئیں رتنی، کہاں کھو گیا ہمارا پیار ——— یہ زندگی ہم پر اسقدر ہتھوڑے کیوں لگاتی ہے، کیوں اس طرح انسان کو جلایا جا رہا ہے۔ یہ کیسی چتا جل رہی ہے کہ جس کی خوشبو نے پاگل کر دیا۔
(وہ پھر آواز لگاتا ہے) رحیم چاچا، رحیم چاچا۔

رحیم چاچا: (اُٹھتے ہوئے) بیٹا ! یہ تجھے کیا ہوگیا ، تو اسقدر مایوس کیوں ہوگیا اونیاش ، تجھے تو بہت آگے جانا تھا ۔

اونیاش: آگے نہیں جانا تھا رحیم چاچا ! صرف مایوس آنا تھا ۔ میں بالکل مایوس ہوگیا ہوں ۔

رحیم چاچا: اگر تو ہی ہمت ہار جائے گا تو لڑے گا کون ۔ اگر تو نے یونہی اپنی زندگی گنوا دی تو ہزاروں اونیاش اور ہزاروں رجنی کا خون اسی طرح ہوتا رہے گا ۔

اونیاش: یہی ہوگا رحیم چاچا ، یہی ہوگا ، کہیں کچھ نہیں بدلے گا ــــــ اب ہماری رگوں میں خون نہیں ، پانی بہتا ہے ، مجھ کو آخری بار دیکھ لو کہ پھر تم کو دکھ نہ رہے کہ اونیاش کو تم نے زندہ نہیں دیکھا تھا ۔

رحیم چاچا: یہ تو کیا کہہ رہا ہے بیٹا ۔ میں نے تجھے بچپن سے دیکھا ہے تیرے اندر بہت بڑی طاقت دیکھی ہے ۔ تو ایسا کیوں سوچ رہا ہے ۔

اونیاش: سب کچھ مٹ گیا رحیم چاچا ، سب کچھ ، رجنی کھوگئی ، میں کھوگیا ۔ میرا گھر بار سب کچھ خاک ہوگیا ۔

رحیم چاچا: اونیاش ! (اونیاش آگے بڑھتا ہے اور شراب اُٹھا کر پینے لگتا ہے) اونیاش رک جا ، ایسا نہ کر بیٹا ، میں جاتا ہوں ، دیکھتا ہوں ہوٹل میں تیرا کوئی دوست ہے کہ نہیں ۔

اونیاش: (سرگوشی کی حالت میں) کہیں کوئی نہیں ، کہیں کچھ بھی نہیں !

(وہ خاموشی سے کچھ تصویریں دیکھتا ہے ۔ کچھ PAPERS دیکھتا ہے ، رجنی کے خط میں اپنے چہرے کو چھپا کر آہ بھرتا ہے اور پھر کرسی پر بیٹھتا ہے ۔ روشنی صرف اسی پرم کونہ ہوتی ہے ۔ کبھی ٹیگور اور کبھی مارکس کی تصویر پر ۔ پیچھے سے دھیمے سروں میں ایک گیت ــــــ)

چھان لیں ساری گہرائیاں

میرے سپنے کہاں کھو گئے

سہمے دروازے

خاموش آنگن

چُپ دریچے ہیں، ساکت ہیں چلمن

دُور بجتی ہیں شہنائیاں

میرے سپنے کہاں کھو گئے

میرے سپنے کہاں کھو گئے

(اور پھر اونیاش گھوم کر ٹیگور کی طرف جاتا ہے)

ونیاش: دیکھ رہے ہو گرو جی، یہ تمہاری دھرتی کے سینے پر کیا ہو رہا ہے۔ ندی، ساگر، پیار اور خوبصورتی، کیا سپنا دیکھا تھا تم نے، تم نے جو کچھ بھی گیتوں میں لکھا ہے وہ آج اس دنیا کے لئے ایک فیشن بن گیا ہے، گرو جی، میری ایک بات مانو گرو جی، اپنی آنکھیں بند کر لو، بند کر لو اپنی آنکھیں ....

(اونیاش لڑکھڑاتا ہوا پھر شراب کی طرف بڑھتا ہے، پیچھے سے دھیمی سروں میں)

دُور بجتی ہیں شہنائیاں

میرے سپنے کہاں کھو گئے

(مارکس کی تصویر کی طرف جاتے ہوئے)

HONOURABLE KARL MARX، KARL MARX اس گھنی داڑھی اور بوڑھی آنکھوں نے وہ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے۔ بتاؤ کیا تم نے سیاست گروں کو معصوم انسانوں کا خون چُوستے دیکھا ہے، نہیں دیکھا ہے، بتاؤ کیا تم نے مذہب کے نام پر ہزارہا انسانوں کا قتل عام دیکھا ہے، ـــــ نہیں دیکھا تم نے تو صرف باتیں کی ہیں CLASSLESS SOCIETY، ہا ہا ہا، کان کھول

کرشن لو، سماج کی یہ دیواریں کل بھی تھیں، آج بھی ہیں اور کل بھی رہیں گی۔ ہوں CLASS-
LESS SOCIETY - یہ خواب تمہارے ساتھ گیا، آج بھی سچائی کے ماتھے پر دھول
اڑتی ہے، سمجھے ــــ کہیں کچھ نہیں، ہاں کہیں کچھ نہیں۔

(وہ آگے بڑھتا ہے، شراب کی بوتل منہ سے لگاتا ہے اور کرسی سے
جھول جاتا ہے) رحیم چاچا ــــ رحیم چاچا۔

(اتنے میں رحیم چاچا، راکی اور ریاپا داخل ہوتے ہیں)

رحیم چاچا: دیکھ بیٹا، میرے اونیاش نے شراب کو اپنا لیا ہے! تو ہی اسے سنبھال۔

راکی: کیوں اونیاش، ہوگئی تمہاری چھٹی، یہ شراب اور وہ تمہارا آدرش، ہاہا ــــ مجھے
دیکھو میں آج بھی جی رہا ہوں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ سماج کے ٹھیکے دار اور کتنے
زخم لگا سکتے ہیں، پر تم اسقدر بزدل ہو، یہ مجھے معلوم ہی نہ تھا۔ اپنا لیا شراب کو ــــ
اپنے کو بہلانے کی ضرورت تمہیں بھی پیش آگئی۔

رحیم چاچا: ہاں بیٹے، شراب نے بڑے بڑے انسانوں کو برباد کیا ہے، بیٹے، یہ وہ
زہر ہے جو تیری تمام قوت چھین لے گا اونیاش۔

راکی: زندگی اتنی بے کار شئے نہیں جو یوں ہی لٹا دی جائے، تجھے تو ابھی بہت کچھ
کرنا ہے اونیاش۔

رحیم چاچا: بیٹا، راکی ٹھیک کہتا ہے، موت نہیں زندگی سے پیار کرنا چاہیئے۔ زندگی
میں خوبصورتی تلاش کرنی ہے تجھے اونیاش! تجھے جینا ہے، جینا!

اونیاش: (لڑکھڑاتے ہوئے) میں اور نہیں سہہ سکتا دوست! یہ ظلم، یہ دغا بازی،
یہ خون کی ہولی، یہ روز روز کا درد (وہ تکلیف سے ٹیبل کو پکڑتا ہے) تم سب
ہارے، میں بھی ہارا لیکن میں ایک کام کر سکتا ہوں، میں مر سکتا ہوں اور میری
موت اس نام نہاد سماج کے خلاف ایک بغاوت ہے!!

راکی: بزدل موت سے پہلے مرا کرتے ہیں، تم کو جینا ہے ابھی، بہت آگے جانا ہے۔

اونیاش: ہماری ہمت اور عقل تو مالکوں کی تجوریوں میں بند ہے راکی، ہم کیسے جئیں گے۔ (وہ LOOSE ہوتا ہے پھر کہتا ہے)۔ راکی، میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کیا ہے۔ یہ امرت رس ہے ـــــ (وہ اچانک پی لیتا ہے) اور لڑکھڑانے لگتا ہے۔ (وہ تکلیف دہ انداز میں کراہتا ہے)

راکی: یہ کیا اونیاش، تو اس طرح کیوں تڑپ رہا ہے، اس گلاس میں کیا تھا؟

اونیاش: اب بہت کم وقت ہے دوست، آؤ آؤ میرے قریب آؤ، مجھے سہارا دو دنیا میں ہر انسان کو کاندھے کی ضرورت پڑتی ہے ـــــ آج مجھے بھی، ہاں مجھے بھی۔

(وہ سہارا لیتے لیتے زمین پر گر پڑتا ہے)

راکی: چاچا، تم اونیاش کے پاس ٹھہرو، میں بغل سے ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔

رحیم چاچا: اونیاش یہ تو نے کیا کیا اونیاش، تو اپنی جان کا دشمن بن گیا۔ ابھی تو تیرے ہنسنے کے دن تھے بیٹا، ابھی تو تو اور کھلتا۔ سماج کے بھیڑیے میرے اونیاش کو اٹھالے گئے ـــــ تیری قوت، تیری توانائی، تیرے وہ سرخ جھنڈے، نہیں بیٹا نہیں تو مر نہیں سکتا۔

بابا: (اندر داخل ہو کر) ہاہاہا۔ دنیا میں سب پاگل ہیں۔ اس دنیا میں سب پاگل ہیں۔

رحیم چاچا: چپ بھی رہو بابا۔ آج ایک جوان گذر رہا ہے اور تم اپنی ہی بکتے ہو۔

اونیاش: (پوری کوشش سے اٹھ کر چاچا کی گود کا سہارا لیتا ہے اور مشکل سے کہتا ہے) چاچا، چاچا، دیکھو، وہ دیکھو۔

رحیم چاچا: کیا دیکھوں بیٹا، کہاں دیکھوں۔

اونیاش: وہ، دور بہت دور، ہاں، وہ روشنی چاچا، دیکھو وہ روشنی بڑھ رہی ہے ـــــ تم نہیں سنتے چاچا ـــــ ہاں ماں، میں آرہا ہوں، میں آرہا ہوں، ماں، ماں! ماں!!

(یہ کہہ کر وہ گر جاتا ہے)

رحیم چاچا: نہیں بیٹا، نہیں بیٹا یہ کیا ہو گیا، (خوب روتا ہے) یہ تو نے کیا کر دیا بیٹا، اپنے چاچا کو اکیلا چھوڑ دیا ——— یہ سب کیسے ہوا؟

(اتنے میں ڈاکٹر اور راکی آتے ہیں)

ڈاکٹر: (CHECK کرنے کے بعد) I AM SORRY. (یہ کہہ کر پیچھے کی طرف نکل جاتا ہے اور اندھیرا ——— ساری روشنی مردے کے چہرے پر۔ پیچھے سے آواز)

'IT IS A CLEAN CASE OF SUICIDE.'

رحیم چاچا: (روتا ہے) اونیاش چلا گیا بیٹا، وہ ہمیں چھوڑ گیا۔

راکی: اونیاش یہ تو نے کیا کیا اونیاش ——— یہ تو نے کیا کیا۔ یہ رات جو ہم پر بہت بھاری ہے ہم سب مل کر سہہ رہے تھے۔ تو نے راستے ہی میں ہمیں چھوڑ دیا دوست! تو نے کہا تھا کہ اس سماج کے چہرے پر چاقو چلانا ہے۔ دوست اس کام کو کون انجام دے گا۔ رحیم چاچا یہ ظلم آخر کب تک، کب تک اس طرح اونیاش مرتے رہیں گے۔ (روتا ہے)

رحیم چاچا: بیٹا، اب اس دنیا میں کسی کو کسی پر اعتبار نہیں بیٹا۔ آج اس وقت میرے اونیاش کی باری تھی لیکن بیٹا ابھی اسی وقت کہیں اور کوئی نیا اونیاش مرنے کے لئے جنم لیتا ہوگا۔ آؤ بیٹا، اسے اٹھاؤ اس کا کریا کرم تو مجھ ہی کو کرنا ہوگا۔

راکی: (اونیاش کی لاش کو اپنے ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے) اس جوان لاش کی قسم آج سے یہ جنگ میں لڑوں گا۔

(وہ واپس مڑتا ہے اور بستر پر لے جاتا ہے۔ اسی اثناء میں بابا ہنسنا شروع کرتا ہے۔ سب اسے گھوم کر دیکھتے ہیں)

بابا: تم لوگ آج کی بات کرتے ہو، میری ان آنکھوں میں چالیس سال کے تجربے

پلتے ہیں۔ میں نے کھیت کھیت، شہر شہر گھوم کر لوگوں کو دیکھا ہے۔ گھروں میں لاشیں دیکھی ہیں، راستے میں گولیوں کی آوازیں سُنی ہیں۔ گو داموں میں اناج کو بند دیکھا ہے۔ اور قحط کے زمانے میں اناج کے ایک ایک دانے کے لئے عزّت کو بکتے دیکھا ہے۔ تم سب مجھے پاگل سمجھتے ہو، تم سب مجھے پاگل سمجھتے ہو۔ لیکن میں پاگل نہیں ہوں۔ میں نے ہزاروں ادنیاش کو سڑک کی خاک چھانتے دیکھا ہے۔ میں نے..... ہا ہا ہا ___ ہا ہا یہاں سب پاگل ہیں۔ جاؤ جاؤ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔

(لوگ لاش اٹھاتے ہیں) رام رام ست ہے .... رام رام...

بوڑھا روتا ہے اور پیچھے سے ایک آواز ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

(بوڑھا ہنسنا شروع کرتا ہے)

(پردہ)

●●

سحر ہونے تک

کردار:

پہلا آدمی	راکیش ناتھ
جج	شیطان
گوتم بنرجی	خضر
رشید ـــــ مزدوروں کا سربراہ	منگل چاچا
دو رپورٹر	رامو
پولس انسپکٹر	تیسرا مزدور
وکیل	شام راج
محرّر	سیٹھ دوارکا پرساد
رامو	شرما جی

اور کچھ مزدور

یہ ڈرامہ پہلی بار ۸ اگست سنہ ۱۹۸۰ء کو کلکتہ کے مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں اسٹیج کیا گیا۔ اس میں مندرجہ ذیل فنکاروں نے حصّہ لیا۔

کردار	فنکار
آدمی :	سعید پریمی
جج :	اکبر علی
گوتم بنرجی :	ظہیر انور
ورکر رپورٹر :	اظہر علی نواز
رپورٹر :	سعید اسمٰعیل
انسپکٹر :	جاوید اسمٰعیل
وکیل اور رامو :	محمد خالد رضا
راکیش ناتھ :	شاہد العارفین
رامو (نوکر) :	محمد سمیع احمد
شیطان :	شکیل خان
خضر :	ایس ایم راشد
رشید :	خورشید اکرام
منگل چاچا اور شرما :	محمد ابراہیم
شام راج :	شکیل احمد
دوارکا پرساد :	رفیق انجم
غیبی آواز :	شکیل احمد
ہدایت :	ظہیر انور
لائٹس :	ابھی جیت دت

(پردہ گرا ہوا ـــ دو کردار سائے کے رُوپ میں)

آواز: (اندھیرے میں قسم دلاتے ہوئے) پڑھو،

I MR. SADANAND VERMA, HAVING BEEN
APPOINTED AS A JUDGE OF THE HIGH COURT AT
CALCUTTA, DO SWEAR IN THE NAME OF GOD
THAT I WILL BEAR TRUE FAITH AND ALLEGIEN-
-CE TO THE CONSTITUTION OF INDIA AS BY
LAW ESTABLISHED (THAT I WILL UPHOLD THE
SOVEREINTY AND INTEGIRITY OF INDIA) THAT I
WILL DULY PERFORM AND TO THE BEST OF
MY ABILITY, KNOWLEDGE & JUDGEMENT PE-
-RFORM THE DUTIES OF MY OFFICE WITHOUT F-
-EAR OR FAVOUR AFFECTION OR ILL WILL AND
THAT I WILL UPHOLD THE CONSTITUTION &
THE LAWS.

(مسٹر ورما اس قسم کو دُہراتے ہیں)

پہلا آدمی: (بیچ اسٹیج پر آتے ہوئے) CONGRATULATIONS MR. VERMA آپ آج سے جج بن گئے۔

جج: شکریہ! آج میرے کاندھے پر اچانک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے کی ذمّہ داری بہت کٹھن ہے۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کروں گا کہ فیصلہ کے وقت انصاف اور انسانیت کو کوئی زخم نہ لگے ــــ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہونے پائے۔

پہلا آدمی: اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ہمارے ملک میں ایک بار جو بن گیا سو بن گیا۔ میں تمہیں دلاتا ہوں۔ آپ سب جج بنتے ہیں، کوئی امیر ہے کوئی غریب ــــ اس میں ذمّہ داری کی کون سی بات آتی ہے۔

جج: فیصلہ کرنا ذمّہ داری نہیں، کسی کے ساتھ ناانصافی ہو جائے تو کتنا بڑا گناہ ہوتا ہے۔

پہلا آدمی: آپ نئے نئے جج کے منصب عالی پر آئے ہیں اس لئے آپ کو گناہ کا احساس ہے۔

جج: کیا مطلب، نیا نیا ہوں، اس لئے گناہ کا احساس ہے۔

پہلا آدمی: ہاں، گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز سڑتی گلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اور اس کا ذہن بھی۔ انتظامیہ کا ہر عملہ بگڑتا ہی جاتا ہے ــــــ یہی دستور ہے، اور اس دستور سے آپ بچ نہیں سکتے۔

جج: میرے اندر انصاف کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ میں یقیناً خود کو تمام برائیوں سے محفوظ رکھوں گا۔

پہلا آدمی: میں ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ آپ جج کے منصب عالی پر نئے نئے آئے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو کیا ضرورت ہے، وہ کس کس چیز کو ترستے ہیں، چمکتی ہوئی کار، شاندار بنگلہ .... خوبصورت نگینے۔ یہ سب ان کو میسّر نہیں، اور ان ہی چیزوں کے لئے وہ انصاف اور قانون تو کیا خود کو بھی بیچ دیتے ہیں۔

جج : میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں اپنی کمائی کی بھی تو ہو سکتی ہے ۔

پہلا آدمی : سچائی کی کمائی سے یہ ساری چیزیں کوئی بھی ہندوستانی فراہم نہیں کر سکتا ـــــ سچ کہنے والا مٹی کے تیل کی روشنی میں اور اندھیرے کونے میں گھٹتا جاتا ہے ۔

جج : آپ کی زبان بڑی کڑوی ہے ، آپ بہت تلخ باتیں کرتے ہیں ۔ لگتا ہے آپ نے ایسی زندگی بتائی ہے کہ ....

پہلا آدمی : ہاں میرا تجربہ بہت تلخ ہے ۔ میں نے یہاں انسانوں کو ایسے ایسے روپ میں دیکھا ہے کہ میرا دل کانپتا ہے ، میں نے یہاں ایسے خونی مظالم دیکھے ہیں کہ رواں رواں لرز اٹھا ہے ، میں نے ایسی ایسی انصاف کی دستاویزیں پڑھی ہیں کہ جرم اور انصاف میں اب فرق محسوس نہیں ہوتا ہے ۔ سب برابر لگتا ہے ـــــ اس دیش میں آزادی کے نام پر غلامی کی صلیب تیار کی گئی ہے ، جج صاحب ! غلامی کی صلیب ۔

جج : میں نے تو انصاف کی کوئی ایسی دستاویز نہیں پڑھی کہ جس میں جرم کا احساس ہو ، قانون کی نگاہ چور دروازے کی طرح ہے ، جو پہلے گھر کی ہر ایک چیز کو پرکھ لیتی ہے ـــــ پھر فیصلہ دیتی ہے ۔

پہلا آدمی : قانون تو صرف منطقی تانے بانے کا نام ہے ـــــ وہ قانون کہاں جو جرم کی تہہ میں جائے ، وہ انصاف کس ملک میں ہوتا ہے ، جس کے بعد گناہ اور جرم دم توڑ دیں ـــــ آپ لوگ قانونی دستاویز پڑھتے کب ہیں ، آپ لوگ تو فیصلہ صادر کرتے ہیں ، جسے غریب عوام جھیلتے ہیں ۔ دنیا میں بڑے بڑے فیصلے تو ہوتے ہیں ، لیکن بڑا جرم کبھی ختم نہیں ہوا ۔

جج : آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ انصاف اور قانون کو ملک سے ہٹا دینا چاہیئے ۔ لا اینڈ آرڈر عوام اپنے ہاتھوں میں لے کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں ۔

پہلا آدمی : نہیں ، میں چاہتا ہوں کہ عوام کے ساتھ انصاف ہو ۔ غریب غریب تر ہوتا

ہے اور جرم کے لئے مجبور کر دیا جاتا ہے، اور امیر اور INDUSTRIALIST اپنے تمام گناہوں کے باوجود صبح کی اذان کی طرح پاک صاف اور بے داغ دکھائی دیتے ہیں۔

جج: امیر اور INDUSTRIALIST سے آپ کو نفرت ہے کیا؟

پہلا آدمی: جی نہیں، میں ناانصافی سے نفرت کرتا ہوں، اس نظام سے نفرت کرتا ہوں جو انسان کو گناہ کرنے کے لئے تیار کرتا ہے۔ ان کی زندگی کو ہمیشہ گناہوں سے تر بہ تر رکھتا ہے۔

جج: تو آپ اس نظام کے خلاف اپنی آواز بلند کیوں نہیں کرتے، کیوں کوئی ایسی تحریک نہیں چلاتے، جس سے یہ نظام جو آپ کی نظر میں داغدار ہے درست ہو جائے۔

پہلا آدمی: جج صاحب! آپ نئے نئے جج کے منصب عالی پر آئے ہیں، آہستہ آہستہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے ملک کا پورا انتظامیہ دس پندرہ خاندانوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان کے جال اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ کوئی بھی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔ وہ ہر تحریک کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں، اور باغی بے بس ہو کر رہ جاتا ہے، ۱۹۷۰ء کی تحریک کو کیا ملا ــــــ بولئے ــــــ پولس کے بوٹ اور قانون کی سزائیں، جلتے ہوئے الاؤ میں پوری تحریک کو بھون دیا گیا۔

جج: ان کی تحریک میں دم ہی نہیں تھا جو کچھ کر سکتے۔ جس تحریک میں طاقت اور SPEED ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے۔

پہلا آدمی: مان لیا کہ اس تحریک میں دم نہیں تھا، طاقت نہیں تھی، اس میں پلان کی کمی تھی، لیکن جج صاحب یہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ اس تحریک میں سچائی کی کمی تھی ــــــ اس سچائی نے ملک کے بہتر ذہن کو لڑنے مرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

جج: میں توڑ پھوڑ کو تحریک کا نام نہیں دیتا۔ تحریک ایسے چلتی ہے کہ سب کچھ خاک

ہو جاتے ہے۔ تحریک تو وہ ہے جو گاندھی، نہرو اور پاٹل جیسے لوگوں نے چلائی تھی۔ اور وہ تحریک کامیاب رہی۔

پہلا آدمی: اچھا اچھا جج صاحب، میں سمجھ گیا، گاندھی، نہرو اور پاٹل کی تحریک کو آپ تحریک کہتے ہیں، تب تو آپ کی کرسی ہمیشہ محفوظ رہے گی ـــــ آپ کا نام بھی ہو گا اور آپ سنور بھی جائیں گے۔ آپ کو کس بات کا ڈر ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں

GOD BLESS YOU

(وہ چلا جاتا ہے اور اسٹیج پر دوسرے ونگس کی طرف جج مڑتا ہے)

جج: لگتا ہے یہ آدمی بہت زیادہ جانتا ہے ـــــــ اور بہت زیادہ جاننا اچھا نہیں ہوتا۔ (یہ کہہ کر وہ نکل جاتا ہے۔!)

دوسرا منظر

(پردہ بدستور گرا رہے)

گوتم اکیلا اسٹیج کے ایک کونے میں بیٹھا ہے۔ روشنی کا ہالہ صرف اسی پر ہے۔ یہ علامتی حوالات ہے۔ ایک حوالدار آتا ہے۔

حوالدار: اے گوتم۔ تم سے کوئی ملنے آیا ہے (پھر ونگ سے آنے والے کی طرف، جو اب بھی ونگ کے اندر ہے) یاد رکھو، ملنے کا وقت صرف پانچ منٹ ہے۔ جاؤ۔

(رشید داخل ہوتا ہے، دونوں گلے ملتے ہیں)

گوتم: یار کیسے ہو، تمام لوگ ٹھیک تو ہیں نا۔

رشید: ہاں بس ٹھیک ہی ہیں۔

گوتم: کیا بات ہے، تم اس طرح کیوں کہہ رہے ہو، دیکھو مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ دوست، مزدور سب ٹھیک تو ہیں نا۔

رشید: (گہری اداسی کے ساتھ) ارے کیا ٹھیک رہیں گے گوتم، تمہاری گرفتاری کے بعد تو ان کا دیا ہی بجھ گیا ہے۔

گوتم: (سوچتے ہوئے) دوست کوئی بھی شخص اس زندگی میں اسقدر ضروری نہیں۔ میں جس کام کو ادھورا چھوڑ آیا ہوں، اسے تم لوگوں ہی کو پورا کرنا ہوگا۔

رشید: تمہارے بعد ان کو ہمت دینے والا کوئی نہیں۔ ہمارے اندر اتنی قوت ہی نہیں دوست، مزدوروں کے درد نے صرف تمہیں متاثر کیا تھا۔ ہم ایسے بھائی

کہاں پائیں گے؟

گوتم : نہیں رشید، اگر ایک گوتم بجھے نا تو ہزار گوتم اس زمین کے سینے سے اُبھریں گے۔ تم سب مایوس کیوں ہوتے ہو، تمہاری جنگ کوئی نئی نہیں، مزدور تو ہزاروں سال سے یہی جنگ کر رہے ہیں۔

رشید : لیکن اس جنگ کے لئے اب انھیں تیار کرنے والا ہی نہیں، شام راج کے بچّے کی موت کے بعد گہرا سنّاٹا پھیل گیا۔ وہ خود بھی ہار گیا، ندی کے پاس بیٹھا پاگلوں کی طرح ہنستا رہتا ہے۔

(ایک لمحہ کی خاموشی)

گوتم : بہت دکھ ہوتا ہے دوست، بہت دکھ ہوتا ہے۔ ہر طرف اونچ نیچ کی دیواریں، ہر طرف چھوٹے بڑے کا بھید بھاؤ، ہر طرف آگ اور خون کا کھیل، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے...... کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہم سب اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کے بھنور میں کس طرح گرفتار ہیں۔ ہم سب اپنی ہی تیار کی ہوئی صلیب پر چڑھ گئے ہیں...

.... (خموشی) لیکن پھر بھی مایوسی کو زندگی میں کبھی جگہ نہ دینا۔ ہر شخص اپنی جگہ ایک انقلاب بن سکتا ہے۔

رشید : انقلاب کے شور میں ہم سب دب گئے ہیں گوتم، اب تو صرف تمہاری انگلی پکڑ کر چلنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

گوتم : (ہنستے ہوئے) نہیں، تم سبھوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہوگا، ہر مزدور کو اپنا حق جاننا چاہیئے۔ (کچھ سوچ کر) اچھا یہ بتاؤ مزدور سب ٹھیک ہیں نا۔

رشید : کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ہر طرف سنّاٹا ہے، کبھی کوئی گھر جل جاتا ہے، کبھی کسی کا بچّہ مر جاتا ہے ــــــ اچھا گوتم آج تمہاری پیشی ہے نا۔

گوتم : ہاں، بس عدالت میں فیصلہ سُننے کی دیر ہے اور پھر ہم خواب ــــ وخیال ہو جائیں گے۔

رشید: نہیں تم عدالت میں اپنے جرم کا اقرار نہیں کروگے۔ دوارکا پرساد دل کا مریض تھا۔

گوتم: (ہنستے ہوئے) تم کیا سمجھتے ہو کہ میں بچ جاؤں گا۔ ارے گواہ میرے خلاف ہونگے، رپورٹیں میرے خلاف ہوں گی۔

رشید: یونین کے تمام لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم یہ کیس لڑیں گے۔ شہر کے بڑے وکیل مسٹر ناتھ سے بات چیت بھی کی گئی ہے۔

گوتم: (سختی سے) نہیں، یونین کا ایک ایک پیسہ مزدوروں کے لئے ہے۔ یہ مجھ پر خرچ نہیں ہوگا۔

رشید: تم اپنی ضد نہ کرو گوتم

(اتنے میں حوالدار داخل ہوتا ہے)

حوالدار: چلو تمہارا وقت ہو رہا ہے۔

گوتم: میرا فیصلہ قطعی اور آخری ہے رشید، سمجھے اب تم جاؤ

(گوتم حوالات سے کورٹ کی طرف پیش قدمی کرتا ہے، حوالدار ساتھ ہے، راستے میں کچھ نامہ نگار ملتے ہیں[1])

(کورٹ کے گھنٹے کی آواز آتی ہے اور پردے کے باہر دو آدمی دو طرف سے تشریف لاتے ہیں۔ ونیکس کے داہنے دروازے سے ہو کر گوتم ہتھکڑی کے ساتھ پولس کی زد میں ابھرتا ہے، دوسری طرف سے کچھ فوٹو گرافر اور رپورٹر لپکتے ہوئے آتے ہیں، اس کی تصویر لیتے ہیں)

---

[1]: اس منظر کو اسٹیج کے ایک سرے سے چل کر دوسرے سرے تک اور ہال میں اُترا جا سکتا ہے، جہاں نامہ نگار سوال کریں گے اور پھر ونیگ سے داخلہ، جہاں کورٹ کا منظر ہے۔

ایک رپورٹر: (ہاتھ میں کاغذ قلم لئے ہوئے) گوتم صاحب آپ نے دوارکا پرساد کا خون کیوں کر دیا؟
گوتم: (چہرے پر سختی کے آثار لئے ہوئے ایک لمحہ دیکھتا ہے) اس لئے کہ وہ خود خونی تھا۔
رپورٹر: وہ خونی تھا، یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟
گوتم: وہ ہر دن غریب مزدوروں کا خون پیتا تھا۔
رپورٹر: آپ ذرا اس کو واضح کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح غریبوں کا خون پیتا تھا؟
گوتم: سیٹھ دوارکا پرساد اپنے گھر میں بیٹھا شراب اور شباب سے کھیلا کرتا تھا۔
اس کے SUGER MILL میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں، وہ سترہ گھنٹے اور اٹھارہ
گھنٹے کام کرتے ہیں، اپنے خون اور پسینے سے وہ اس مل کی آبیاری کرتے
ہیں، تاکہ دو روٹی کما سکیں، لیکن ان کو دو روٹی بھی نہیں ملتی۔ ان کو بونس نہیں ملتا،
ان کو اور ٹائم نہیں دیا جاتا، یہ تمام دولت جو SUGER MILL اگلتی ہے، سیٹھ دوارکا
پرساد کے گھر جاتی ہے ـــــ ایک مزدور کی موت پر اس نے کبھی آنسو نہیں
بہائے، وہ تو جام پر جام لنڈھایا کرتا تھا۔
رپورٹر: SUGER MILL کی ہڑتال کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتے ہیں۔
گوتم: ہڑتال تو اب تک جاری ہے، مالک نے مزدوروں کی ایک بھی مانگ نہیں مانی۔ وہ آٹھ
گھنٹہ ڈیوٹی نہیں دینا چاہتے، وہ تنخواہ کی رقم نہیں بڑھاتے، وہ صرف چھٹائی کرنا
جانتے ہیں۔
رپورٹر: لیکن اب ان مزدوروں کا کیا ہوگا جو ہڑتال کئے بیٹھے ہیں۔
گوتم: مجھے معلوم نہیں، لیکن میرا یقین ہے کہ وہ جنگ کریں گے، اپنا حق لینے کے
لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے۔
رپورٹر: ایک سوال اور۔ کیا آپ کو جرم کا احساس ہے؟
گوتم: نہیں، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میرا ضمیر صاف ہے، میں نے اس آدمی کو ختم کر دیا جو
ہزاروں مزدوروں کی زندگی کے لئے سانپ بنا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ ڈستا اور مزدور

اپنی اندھیری کوٹھری میں دم توڑ دیتے۔ پھر اس کا بچہ اس کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے چہرے پر غریبوں کے خون سے مہکی ہوئی رنگت تھی۔ میں نے اسے مار کر کوئی غلط کام نہیں کیا ــــــ!

پولس: چلو چلو، کورٹ کا وقت ہو رہا ہے، اب تم اور نہیں رک سکتے۔

گوتم: (گھوم کر دیکھتا ہے) چلو انسپکٹر چلو ــــــ تمہیں بہت جلدی ــــــ ہے۔

(وہ دونوں نکل جاتے ہیں)

رپورٹر: (دوسرے فوٹوگرافر اور رپورٹر کو) ملک کی اتنی بڑی ہستی کا قتل آسان بات نہیں، دوارکا پرساد کے کردار کو سبھی جانتے ہیں، لیکن کوئی انھیں ختم نہیں کر سکا۔

دوسرا رپورٹر: تم ٹھیک کہتے ہو، اس نے بڑی دلیری سے ایک داغ کو سماج سے ہٹا دیا۔ O.K. چلو ابھی عدالت میں اس کی پیشی ہونے والی ہے۔

(سب چلے جاتے ہیں، اسٹیج بالکل اندھیرا ہے، پردہ کھلتا ہے، اندھیرا برقرار ہے۔ صرف ایک روشنی گوتم پر پڑتی ہے جو کٹہرے میں کھڑا ہے)

پس منظر: گوتم بنرجی تم پر الزام ہے کہ تم نے ملک کی بہت بڑی شخصیت کا قتل کیا ہے۔ تم نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور DIWARKA PRASAD SUGER MILL کے ورکروں سے لے کر ٹرک کے مزدور تک کو بھڑکایا ہے۔ ایک معمولی سی وجہ کو لے کر تم نے ضابطہ اور قانون کے امیج کو چکنا چور کر دیا۔ پورے ملک میں ہڑتال کرایا۔ ہزاروں مزدوروں کو لڑنے مرنے پر آمادہ کیا۔ تم نے قانون کے خلاف سخت اور نازیبا الفاظ کہے اور ملک کی عدلیہ کو مجروح کیا۔ تم نے غریبوں کی زندگی میں بے چینی پھیلائی اور ملک کی مالیت اور قومی آمدنی کو نقصان پہنچایا۔ تم نے دوارکا پرساد کے گھر پر بم چلوائے۔ خون ریز جھڑپوں کی ذمہ داری تم پر آتی ہے۔ قتل کے وقت، گواہوں کے بیانات، پوسٹ مارٹم اور فنگر اکسپرٹ کی رپورٹ تم کو قاتل ٹھہراتی ہے۔

(ایک وکیل جو داہنے جانب کرسی پر بیٹھا ہے، اچانک اٹھتا ہے، روشنی بیچ میں

بیٹھے ہوئے جج پر بھی پڑتی ہے، وکیل جج سے اجازت لیتا ہے)

وکیل : (اٹھتے ہوئے) YOUR HONOUR، گو تم ایک نہایت ہی خطرناک، مطلب پرست اور عادی مجرم ہے۔ اس پر لگائے گئے تمام الزامات درست ہیں۔ اس نے ورکروں کی زندگی لی اور ملک کے ایک عظیم انسان دوارکا پرساد کا خون کیا۔ تمام شہادتیں اس کے خلاف ہیں۔ اور یہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ YOUR HONOUR ملزم کا ماضی بھی ایسے ہی گناہوں سے تربہ تر ہے۔ اس نے مختلف UNIONS کئے ہیں، اور ایسے وجہ مالکوں کی نیندیں چرائی ہیں۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں ملزم خطرناک سیاسی کارناموں کی وجہ سے گرفتار ہوا۔ YOUR HONOUR انصاف اور قانون کی نگاہ میں وہ ایک خطرناک مجرم ہے۔ میں اپنے بیان کی تصدیق کے لئے عدالت کے سامنے کچھ چشم دید گواہ پیش کرنا چاہوں گا۔

جج : اجازت ہے۔

وکیل : میرا پہلا گواہ سیٹھ دوارکا پرساد کا نوکر رامو ہے۔

پس منظر سے : رامو حاضر ہوں، رامو عدالت میں حاضر ہو۔

(ایک بوڑھا آدمی جو صحت مند ہے۔ دھوتی کرتا پہنے وکیل کی طرف کٹہرے میں آتا ہے، محرر اس کو قسم دلواتا ہے)

محرر : کہو میں گیتا پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ میں جو کہوں گا، سچ کہوں گا، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔

رامو : (رامو قسم دہراتا ہے) گیتا پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا، سچ کہونگا، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔

وکیل : تمہارا نام ؟

رامو : میرا نام رامو ہے سرکار۔

وکیل : سیٹھ دوارکا پرساد سے تمہارا کیا رشتہ ہے ؟

رامو : رشتہ کا ہے کا سرکار، وہ تو ہمارے مالک تھے۔ اب ہم کس کو جھک کر سلام کریں گے سرکار۔

وکیل : اچھا رامو تم کتنے دن سے دوارکا پرساد کے یہاں کام کرتے تھے۔

رامو : ارے سرکار ہم تو بچپن سے مالک کا نمک کھاتے آئے ہیں اور آپ پوچھتے ہیں کہ کب سے کام کرتے ہیں۔

وکیل : اچھا جس وقت تمہارے مالک کا خون ہوا، تم کیا کر رہے تھے۔

رامو : مالک کو WHISKY کی عادت رہی سرکار، تو ہیں ان کے لئے پیگ بنا رہا تھا۔

وکیل : پھر تم نے کیا دیکھا؟

رامو : پھر دیکھا کیا سرکار ـــــــ یہ بابو جو سامنے کھڑے ہیں، ہمارے مالک کو غصہ دلوا دیا۔ مزدور کی خاطر لڑائی مول لی۔ وہ بھی غصہ میں بڑھے اور ان کو برا بھلا کہا، انھوں نے کہا کہ تمہاری بات میری جوتی کے نیچے ہے۔ پھر یہ ان پر کود پڑے، ہم چھڑاتے رہے، لیکن انھوں نے ان کا گلا دبا دیا صاحب۔ پھر اس کے بعد سب کچھ ختم ہو گیا سرکار، سب کچھ (وہ روتا ہے)

وکیل : O.K. تم جا سکتے ہو، میرا دوسرا گواہ راکیش ناتھ ہے۔

آواز : راکیش ناتھ حاضر ہوں۔

(راکیش ناتھ ۵۶ برس کا ایک آدمی، جس کی کن پٹیوں کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ وہ کٹہرے میں آتا ہے)

محرر : گیتا پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیے کہ میں جو کچھ کہونگا سچ کہونگا اور سچ کے علاوہ کچھ نہ کہونگا۔

راکیش ناتھ : (قسم لیتا ہے) میں گیتا پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا۔

وکیل : آپ سیٹھ دوارکا پرساد کو کب سے جانتے ہیں؟

راکیش ناتھ : میں سیٹھ دوارکا پرساد کو پچھلے گیارہ برسوں سے جانتا ہوں۔ وہ میرے بہت
قریبی دوست تھے۔
وکیل : آپ اس وقت کہاں تھے جب دوارکا پرساد کا قتل ہوا۔
راکیش ناتھ : میں ان کے پاس کچھ ضروری کاموں سے گیا ہوا تھا۔ اتنے میں یہ صاحب آئے۔
دوارکا پرساد سے گفتگو کے دوران انھوں نے دھمکی دی۔ بات آگے بڑھی۔ اور پھر
انھوں نے دوارکا پرساد کا خون کر دیا۔
وکیل : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دوارکا پرساد کس قسم کے آدمی تھے ؟
راکیش : وکیل صاحب، سیٹھ جی دیوتا تھے۔ وہ بہت سارے لوگوں کی مدد کیا کرتے
تھے۔ غریبوں اور یتیموں کی انجمن میں ہر سال روپیہ دیا کرتے تھے ــــــ وہ تو
دیوتا تھے دیوتا۔
وکیل : میرا تیسرا اور آخری گواہ ہے انسپکٹر رنجیت۔
آواز : انسپکٹر رنجیت حاضر ہوں....
(انسپکٹر، ۳۵ سال کی عمر اپنے لباس میں حاضر ہوتا ہے)
محرّر : گیتا پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیے کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا سچ کہوں گا، سچ کے علاوہ
کچھ نہ کہوں گا۔
انسپکٹر : (قسم دہراتا ہے) میں جو کچھ بھی کہوں گا سچ کہونگا، سچ کے علاوہ کچھ نہ کہوں گا۔
وکیل : (اُٹھتے ہوئے) آپ کا نام ؟
انسپکٹر : میرا نام رنجیت گپتا ہے۔
وکیل : دوارکا پرساد کے قتل کی تفتیش آپ ہی کر رہے تھے ؟
انسپکٹر : جی ہاں !
وکیل : کیا آپ اس آدمی کو (گوتم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) پہچانتے ہیں ؟
انسپکٹر : جی ہاں ! یہ گوتم بنرجی ہے، اور دوارکا پرساد کا قتل اسی نے کیا ہے۔

کے سر ہونے تک،

وکیل: جب آپ جائے واردات پر پہنچے تو آپ نے کیا دیکھا ؟

انسپکٹر: جب میں جائے واردات پر پہنچا تو دوارکا پرساد دم توڑ چکا تھا۔ اس کی لاش ٹیبل پر پڑی تھی اور گوتم کھڑا ہنس رہا تھا۔ اس نے وہیں اپنے جرم کا اقرار کیا ہے۔ پوسٹ مارٹم اور فنگر ایکسپرٹ کی رپورٹ اس کے خلاف ہے۔

وکیل: آپ جا سکتے ہیں۔

YOUR HONOUR, NO MORE WITNESS گواہوں کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ گوتم نے ایک فرشتہ صفت انسان کو جان بوجھ کر مار ڈالا۔ یہ مزدوروں میں اپنا نام چاہتا تھا۔ اور اپنے نام کے عوض اس نے نہ صرف خون کیا بلکہ ہزاروں مزدوروں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ ملک کے بہتر INDUSTRIALIST کی زندگی خطرہ سے بچی رہے۔ پورا کیس عدالت کے سامنے ہے۔ مجرم اپنے جرم کا اقرار کر چکا ہے۔ بس اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔

جج: گوتم جی آپ کو اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے تو کہہ سکتے ہیں۔ اگر آپ کے لئے کوئی وکیل نہیں تو عدالت اس کا انتظام کر سکتی ہے۔

گوتم: YOUR HONOUR مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنا تو ضرور ہے لیکن مجھے کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔

جج: عدالت آپ کو اپنی صفائی پیش کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

گوتم: شکریہ جج صاحب، آپ نے سچ کہنے کی اجازت تو دی۔ ہاں میں نے سیٹھ دوارکا پرساد کا خون کیا۔ وہ دوارکا پرساد جو ملک کی زبردست شخصیت تھے۔ لیکن جیسا کہ وکیل صاحب نے کہا کہ میں عادی مجرم ہوں، تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ہاں میں ۱۹۷۰ء میں سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر گرفتار ہوا، میں نے ورکروں کو لیڈ کیا، میں نے سیٹھ ساہوکار کے خلاف آوازیں بلند کیں ـــ لیکن میرے فاضل وکیل

نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے ایسا کیوں کیا ؟ کیوں وکیل صاحب کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا ؟

وکیل : (اٹھتے ہوئے) I OBJECT YOUR HONOUR. یہ کورٹ اور وکالت کے پیشے کی توہین کر رہا ہے ۔

گوتم : OBJECTION SUSTAINED ، گوتم بنرجی آپ، جو بھی کہنا چاہتے ہیں کہیں، سوال کرنے کا حق نہیں ہے ۔

گوتم : SORRY YOUR HONOUR ویسے بھی وکیل صاحب کے پاس میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔ میری سیاسی سرگرمیاں ان لوگوں کو اس لئے خراب لگیں کہ میں سچ کا ساتھ دے رہا تھا ۔ مجھے ان لوگوں نے اس لئے گرفتار کیا کہ میں ظلم و تشدد کی دیواروں کو ایک ہی وار میں گرا دینا چاہتا تھا ۔ میں منتریوں اور الیکشن کنٹرولنز کے ہتھ کنڈے سے واقف تھا ۔ میں نے ورکروں کو اس لئے ورغلایا کہ وہ اپنی زندگی اور اپنے حقوق سے بے خبر تھے ۔ انھیں نہیں معلوم کہ ان کے خون اور پسینے کی کمائی سے مالکوں کے گھروں میں کس طرح رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں ۔ جج صاحب ان چالوں اور کھولیوں میں جا کر دیکھئے کس طرح سانسوں میں زہر پیوست ہیں یا معصوم بچے گندی نالیوں میں رینگتے نظر آئیں گے ۔ مزدوروں کو بھوک کے اندھیرے غار میں ڈھکیل دیا جاتا ہے تو انصاف کے ماتھے پر بل نہیں آتا جج صاحب

وکیل : (اٹھتے ہوئے) I OBJECT - YOUR HONOUR ملزم اپنی حدوں سے آگے بڑھ رہا ہے، اور عدالت کی توہین کر رہا ہے ۔ ایسے بھیانک مجرم کو جو کہ ذہین بھی ہے، اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی اجازت دے کر شاید عدالت نے غلطی کی ہے ۔ یہ جذبات کا سہارا لے کر انصاف اور قانون کا مذاق اڑانا چاہتا ہے ۔

گوتم : (غصے میں) سچ کو آپ جھٹلا نہیں سکتے وکیل صاحب ۔ سچ سننے کے لئے سچائی کو اپنے اندر سمونا پڑتا ہے ۔

وکیل : I SAY SHUT UP.

جج : (ہاتھ مارتے ہوئے) آرڈر، آرڈر، ملزم گوتم بنرجی آپ کا بیان ختم ہوا، آپ نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔

گوتم : نہیں جج صاحب نہیں، میرے جرم کے اقرار سے یا پھانسی کے تختے پر لٹک جانے سے ظلم اور اتیاچار سماج سے ختم نہیں ہوگا۔ آپ کو میری کہانی سننی ہوگی۔ ہر قانون داں کو یہ جاننا ضروری ہے کہ قتل کے پیچھے اہم سچائی بھی ہو سکتی ہے۔

جج : ALLRIGHT. عدالت آپ کو تھوڑا سا وقفہ اور دیتی ہے۔

گوتم : شکریہ۔ میری بغاوت آج سے آٹھ سال پہلے شروع ہوئی۔ میں سماج کے ہر درندے کو پہچانتا تھا لیکن کبھی مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن اس رات جج صاحب، ہاں اس رات سب کچھ بدل گیا۔ میرے اندر کا وہ آدمی جو غریبوں، مزدوروں اور ناداروں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا، اچانک جاگ اٹھا، اس روز میں جاگ اٹھا، اس لئے کہ سماج سے ٹکرانے والا ایک سپاہی ہمیشہ کے لئے خونی درندوں کی نذر ہو گیا تھا ــــ ہاں جج صاحب وہ اس روز مر گیا تھا، شیکھر مر گیا تھا۔ میرا دوست مر گیا تھا جج صاحب! (وہ سر جھکا کر سسکتا ہے)

(پردہ)

دوسرا سین

(اسٹیج پر ایک لاش رکھی ہے ۔ روشنی صرف اس لاش پر دو طرف سے پڑ رہی ہے)

آواز : یہ لاش اس نوجوان کی ہے جس نے زندگی میں صرف ۲۷ بہاریں دیکھی ہیں ۔ معاف کرنا صاحبان ۔ اس نے بہاریں دیکھی ہی نہیں ۔ سچ کہنے اور سچ کی تلاش میں اس نے ہمیشہ خزاں کے پھل کاٹے ہیں ۔ اس نے سماج کی ناانصافیوں اور خونی درندوں کے خلاف جنگ کی ۔ اس نے ناکامی کے خلاف ہمیشہ امید کی کرن کو محفوظ رکھا لیکن زندگی کی ستائیسویں خزاں نے اسے لوٹ لیا اور یہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا ــــــ اس نے جب چاول کی مانگ کی تو اسے کنکر کے دانے ملے ۔ اس نے جب پھل مانگے تو اسے سوکھے ڈنٹھے نصیب ہوئے ۔ اس نے جب صدائے احتجاج بلند کی تو پولس کی لاٹھیاں اور سماج بر داروں کی چاپلوسی ملی ــــــ اور آج جب سماج خونی درندوں کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی بنا ہے تو اس کی لاش پر رونے والا اس کا تنہا دوست، گوتم ہے، اور شاید تمام دروازے بند ہیں ۔

(گوتم اسٹیج کی پچھلی طرف سے وارد ہوتا ہے ۔ اس کے قدم دکھ درد اور غصہ کے ملے جلے جذبات سے بوجھل ہیں ۔)

گوتم : (لاش کے پاس جھکتے ہوئے) یہ تو نے کیا کیا ستیش ، یہ تو نے کیا کیا ، خودکشی تو پاپ ہے ۔ تو نے لڑ نے مرنے کی قسم کھائی تھی ، تو نے اس سماج کو بے نقاب کرنے

کی لگن اپنائی تھی۔ یہ سب کیسے ہوگیا ــــــ نہیں، نہیں، تو بزدل ہے، تو نے دنیا چھوڑ دی ــــــ بزدل کمزور انسان، میں تیری طرح ڈرپوک نہیں جس کو دنیا اور اس کے بھیڑیے اٹھالے جائیں، میں جنگ کروں گا ــــــ اس وقت تک، ہاں اس وقت تک جب تک کہ یہ ساری دھرتی سرخ نہ ہو جائے۔ (پھر گمبھیر لہجے میں) شیکھر تجھے اس دنیا نے لوٹ لیا، شیکھر تو جوانی میں کیوں کھو گیا میرے دوست، (آہستہ آہستہ روتا ہے)

(اچانک بتی بجھتی ہے، پھر آتی ہے، گوتم کونے میں ہے)

(اچانک اسٹیج کے ایک کونے میں ایک کردار ابھرتا ہے، جو حسین ہے۔ آنکھیں باہر کو نکلی ہوئیں اور ناک لانبی ہے)

شیطان: ہاہاہا اے کمزور انسان، تو اسقدر اداس اور بجھا بجھا سا کیوں ہے۔ مجھے دیکھو، میں اس دنیا کی شکتی ہوں۔ دیکھ میری قوت کو، میرے ان پنجوں کو جن میں تمام خوشیاں قید ہیں ــــــ ہاہاہا ــــــ تو میری طرف آ، میرے راستے کو اپنا لے، تیری جھولی میں منٹوں میں خوشیاں بھر جائیں گی۔ بزدل انسان رویا کرتے ہیں۔

گوتم: (ڈرتے ہوئے) تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

شیطان: مجھ کو نہیں پہچانتے! YOU ARE INNOCENT. YOU ARE REALLY INNOCENT، احمق انسان میں اس دنیا کو چلاتا ہوں۔ ہاہاہا ــــــ ہاہاہا۔

گوتم: میں نے تم کو پہلے کبھی نہیں دیکھا، ہاں ایک دو بار خواب میں ضرور تم آئے ہو۔

شیطان: (آہستہ آہستہ پورے اسٹیج پر سرکتا ہے) I AM LUCI-
-FER AND I AM THE LORD OF THIS WORLD.

مجھے نہیں پہچانتے۔ میں شیطان ہوں اور اس دھرتی کا بادشاہ ہوں۔ میں اس دنیا کو چلاتا ہوں۔ میری روح تمہاری دنیا کے بہت سارے لوگوں کے اندر بسی ہے، ہاہاہا ــــــ کمزور انسان! تم نے لیڈروں کو نہیں دیکھا، ان کے اندر میں بولتا ہوں، تم نے ظالم پولس انسپکٹر کو نہیں دیکھا، اس کے اندر میں حرکت کرتا ہوں، تم نے بلیک مارکیٹر، سیٹھ ساہوکار، زمین دار کو نہیں دیکھا، میرے بتائے ہوئے راستے پر وہ چلتے ہیں، تم بھی میری طرف آؤ میں تمہیں کامیابی اور بلندی کے SHORT-CUT راستے بتاتا ہوں ــــــ میں تمہیں شکتی دیتا ہوں، تم بھی ٹاٹا، ڈالمیا اور برلا بن سکتے ہو۔

گوتم: تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ SHORT-CUT راستے کیا ہیں؟

شیطان: تم جاہل ہو جو سچ بولتے ہو ــــــ صدائے احتجاج بلند کرتے ہو۔ ہاہاہا ــــــ صدائے احتجاج۔ اس کی کوئی قیمت نہیں اس صدی میں، اس صدی میں وہ زندگی کو حسین بنا سکتا ہے جو فریب کاری جانتا ہو۔ آؤ میرے نزدیک... آؤ، میں تم میں وہ شکتی بھرتا ہوں کہ تم بھی منسٹروں کے بغل گیر ہو سکتے ہو ــــــ غریبوں کے آنسو مت پوچھو، ان کو سنہرے خواب دکھاؤ اور اناج کو داموں میں بھر دو، جب مریض موت کے قریب ہو تو دوائیوں کو جام کر دو۔ جب کارخانوں میں اسٹرائیک ہو تو مالکوں کی تجوریاں خالی کر دو اور مزدوروں کو صرف وعدے دو ــــــ سمجھے! میں گناہ ہوں اور میں زندگی کا صحیح راستہ ہوں!

گوتم: یہ سب غلط ہے، نہیں نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا، یہ سب غلط ہے۔

شیطان: غلط اور صحیح کا فیصلہ کون کرتا ہے، جہاں قانون اور انصاف بکتے ہوں وہاں سوال مت کرو ــــــ صرف خریدو۔

گوتم: (ہمت سے) تم مجھے بہکانا چاہتے ہو، میں تمہاری باتوں میں نہیں آ سکتا۔

شیطان: (بلند آواز میں) خاموش بزدل انسان، میرے حملے سے کوئی نہیں بچا، مجھ سے بھگوان بھی پناہ مانگتا ہے۔ تم بھول گئے، انسان کی پیدائش کے پہلے دن ہی میرا

وار ہوا تھا THE VERY FIRST DAY OF CREATION I

SENT ADAM AND YOUR GOD REELING DOWN TO EARTH.

گوتم: (آسمان کی طرف نظر کرتے ہوئے) اے بھگوان، یہ سب کیا ہے، یہ سب کیا ہے؟

شیطان: ہاہاہا ـــــ بھگوان ـــــ ہاہاہا ـــــ

یہ شبد بہت پرانا ہو گیا ہے، بھگوان بوڑھا ہو چکا ہے، اپنے راج محل سے تمہاری آواز نہیں سنتا، میں تمہارا گائڈ ہوں، میرا نام لو، منسٹروں کے نام لو، ساہو کاروں کے نام لو، یہ میرے ایجنٹ ہیں۔

(اچانک گوتم، کانوں میں ہاتھ رکھ کر "نہیں نہیں" چیختا ہے اور بتی غائب ... ہو جاتی ہے)

(پھر روشنی آتی ہے اور گوتم اپنے آپ سے باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پس منظر میں اب بھی لاش ہے)

گوتم: نہیں، نہیں، میں کمزور نہیں، میں اسقدر کمزور نہیں، میں اس کی باتوں میں نہیں آسکتا ـــــ مجھے اس دھرتی کی مانگ سنوارنی ہے، ان ہزاروں مزدوروں کو کنارے پر لانا ہے جو اسٹرائیک پر ہیں، میری زندگی ان غریب مزدوروں کے لئے ہے ـــــ نہیں میں کمزور نہیں، میں کمزور نہیں۔ (وہ دھیرے سے کرسی پر بیٹھتا ہے اور بائیں جانب سے پرنور صورت لئے خضر نمودار ہوتا ہے)

خضر: نادان بچے، میری طرف دیکھو، میں تمہیں اس گناہ کی سرحد سے پار اتاروں گا، میرے اندر ہمیشہ زندہ رہنے والی قوت ہے۔ آؤ میرے قریب آؤ، میں تمہیں راستہ دکھاؤں گا۔

گوتم: تم کون ہو، کون ہو تم، تم کہاں سے آئے ہو، بولو، تم کیا چاہتے ہو؟

خضر: میں ہر انسان کے اندر رہنے والی سچائی ہوں، میں تمہارا ضمیر ہوں معصوم انسان، میں صدیوں سے لوگوں کو راستہ دکھاتا آیا ہوں ـــــ میرا نام خضر ہے۔

گوتم: (غصہ میں) یہ مجھے راستہ بتانے آئے ہو۔ جاؤ جاکر سماج کے نام نہاد صنعت گردوں کو راستہ دکھاؤ، جاؤ ان سے جا کر کہو کہ غریبوں کا لہو بھی انسان کا لہو ہے۔ جاؤ سیٹھ دوارکا پرساد کے گھر اور کہو کہ آٹھ سال کا بچپن سبز گھاس پر خوشیاں لٹانے کے لئے ہے، کل کارخانے میں خون جلانے کے لئے نہیں۔

خضر: نادان تم پر فیصلہ کی یہ بھاری گھڑی ہے۔ ذرا سی غلطی تم کو شیکھر کی طرح زمین کی تہہ میں پہنچا سکتی ہے، تم میری بات سنو، مجھے موقع دو۔

گوتم: میں تم سے کچھ نہیں چاہتا، صرف اتنا کہہ دو سیٹھ دوارکا پرساد سے کہ مزدوروں کی آنکھیں سوکھی ہانڈی اور بچوں کے آنسوؤں کو دیکھ کر پتھرا گئی ہیں۔ جاؤ ان کو راستہ دکھاؤ، کہو کہ تھوڑی سی نرمی اپنے اندر اتار لے، مجھے کیا راستہ بتاتے ہو۔

خضر: ان راہوں میں میں تمہاری مدد کروں گا، جب تم گھرے اندھیرے میں بھٹکنے لگو گے تو میں تمہارے لئے روشنی پھینکا کروں گا۔

گوتم: میں اپنا راستہ خود چن سکتا ہوں۔ تم سے کچھ بھی ادھار نہیں چاہیئے۔ اس صدی میں پاپ کے بے پناہ نشانات ہیں۔ دوارکا پرساد سے کہو کہ خون کا بدلہ خون ہے۔ یہ صدی حقیقی معنوں میں اپنے وقت سے بہت آگے ہے۔

خضر: (گمبھیر لہجے میں) ہاں نوجوان تمہارے اندر بے پناہ جوش ہے۔ میں اس صدی میں راستے دکھاتے دکھاتے تھک گیا ہوں۔ مجھ کو شیطان نے کئی بار بھاری شکست دی۔ (شیطان کی بھیانک ہنسی) ہاں میں منہ کے بل گر کر روتا ہوں، امریکہ میں ویٹ نام کے چوراہے پر رویا، فلسطین کی سڑکوں پر آنسو بہائے، افغانستان، کیوبا اور چیلی میں میری آنکھوں میں گرم گرم سلاخیں اتاری گئیں۔ ہندوستان میں جل گاؤں، بھیونڈی سے لے کر مرادآباد تک، کل کارخانوں میں جلتے ہوئے خون کی مہک سے لے کر آسام کی گھاٹی تک شیطان نے مجھے کاٹا پیٹا ۔۔۔ لیکن پھر بھی میرا کام راستہ دکھانا ہے ۔۔۔ صرف راستہ

دکھانا ـ !

گوتم: تم تو ہر موڑ پر ناکام نظر آتے ہو، تم مجھے کیا راستہ دکھاؤ گے ؟ (طنزیہ ہنسی)

خضر: میں ناکام ضرور ہوں لیکن ناامید نہیں، ہمیشہ اس مالک کی طرف نظر رکھو، وہ تمہاری مدد کرے گا۔

گوتم: وہ تمہاری مدد نہیں کرتا تو میری مدد کیا کرے گا۔ بابا تمہیں راستہ دکھاتے دکھاتے صدیاں گزر گئیں، اب تم آرام کرو ورنہ تھک ..... کر کہیں گر جاؤ گے۔

خضر: نہیں بیٹا، اس کی طاقت مجھ میں ہے، میں ہمیشہ اس کا نور لئے پھرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اس نور کی روشنی میں تم مزدوروں کی جنگ لڑو۔

گوتم: وہ نور مزدوروں کے چولہے پہ پڑی ہوئی سوکھی ہانڈی نہیں بھر سکتا، تم غریبوں کے درد کیا جانو، ماضی کا ہر آدمی آج کے مل مزدوروں کے درد سے ناآشنا ہے ــــــ جاؤ مجھے اکیلا چھوڑ دو، میں اور الجھنا نہیں چاہتا۔ (اچانک شیطان پھر ابھرتا ہے)

شیطان: YOU WEAK MORTAL تمہاری تمام پریشانیوں کا حل میری مٹھی میں ہے۔ چھوڑ دو اس پرانے لکیر کے فقیر کو۔ یہ تمہیں دکھ درد اور تڑپ کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا ــــــ میں اس دنیا کی حقیقت ہوں، میرے پاس شکتی ہے ہاہاہا ــــــ میرے پاس شکتی (اچانک مڑتا ہے) آؤ میرے پاس آؤ، میرے ہاتھ تھامو۔ COME ONE YOU WEAK GUY

خضر: (ہاتھ کے اشارے سے بلاتے ہوئے) تم اس کی باتوں میں نہ آنا، یہ دنیا کی تمام برائیوں کا ایجنٹ ہے۔ یہ تمہیں گناہ اور چاپلوسی کے راستے پہ لے جا رہا ہے۔ آؤ گوتم میرے پاس آؤ ــــــ

شیطان: ہاہاہا میں گناہ کے راستے دکھاؤں گا، تمہیں مالکوں کی گدی دلواؤں گا،

آؤ میرے پاس ۔

خضر: آمیرے پاس آ میرے بیٹے ۔

شیطان: میرے پاس آؤ ۔

(اچانک گوتم اپنے کانوں میں ہاتھ رکھ کر "نہیں" کی آواز لگاتا ہے اور دونوں ونگس سے غائب ہو جاتے ہیں)

گوتم: (بیچ اسٹیج پر) میں کسی کا محتاج نہیں، میں اپنا فیصلہ خود کرتا ہوں، یہی میری پہچان ہے ___ مجھے مزدوروں کی زندگی کے لئے لڑنا ہے، مجھے غریبوں کی بھوک اور شیکھر کی موت کا بدلہ لینا ہے ___ میں لڑوں گا، میں لڑونگا ہاں مزدوروں کے لئے (دور سے آواز آتی ہے ___ "مزدور زندہ باد، گوتم زندہ باد"، "دنیا کے مزدور ایک ہوں، ایک ہوں" ___ اور اسی کے ساتھ مزدوروں کا ایک سردار رشید، جس کی عمر ۳۵ سال ہے، اسٹیج پر آتا ہے)

رشید: گوتم، مزدور تمہارا انتظار کر رہے ہیں، وہ تمہاری طرف بڑی امید کے ساتھ بڑھ رہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ تم ایک دو بار اور دوارکا پرساد کے پاس جاؤ تو شاید وہ ہماری مانگیں مان لے ۔

گوتم: رشید میں تم لوگوں کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ دے دوں گا لیکن دوارکا پرساد آسان آدمی نہیں، سب کچھ اس کا ہے، پولس اس کی، لیبر منسٹر اس کا، یہ سماج اس کا، اس کو ایسی چوٹ دینی ہے کہ وہ غریب کے درد کو محسوس کر سکے ۔

رشید: لیکن یہ سب ہوگا کیسے گوتم؟

گوتم: ہمیں ہڑتال کو ہر قیمت پر جاری رکھنی ہے، ہمیں لڑنا ہے، SUGAR MILL مزدوروں کی ماں ہے ___ ہم کام پر جائیں گے لیکن اپنی محنت کا پھل ہمیں چاہیئے ___ وہ اب ہمیں EXPLOIT نہیں کر سکتا، انقلاب آچکا ہے ۔ روس، چین اور امریکہ جیسے ملکوں میں محنت کی قدر ہے ۔

رشید: گوتم، تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔ مزدور پچھلے دو مہینے سے اسٹرائیک پر ہیں۔ چندہ کر کے کب تک کھاتے رہیں گے۔ اب ان کی آنکھیں دھنسنے لگی ہیں۔

گوتم: ہمّت ہارنے سے کام نہیں چلے گا ـــــ کچھ پانے کے لئے کچھ سہنا پڑتا ہے رشید۔ تم ان لوگوں کو سمجھاؤ، تم کو مجھ پر اعتماد ہے نا۔

رشید: میں تم پر اعتماد ضرور کرتا ہوں گوتم، تمہاری سچائی اور جنگ پر بھروسہ ہے لیکن ان مزدوروں کی بھوک مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ ان کی بھوک پر مجھے بھروسہ نہیں، کل رات جمنا بھائی کا لڑکا بھوک سے بلک رہا تھا، وہ مر جاتا اگر میں وقت پر نہ پہنچتا۔ ایک کام کرو گوتم، ہماری مانگ کچھ کم کردو ـــــ کہہ دو ہمیں صرف بونس دے دے، ہم سترہ اٹھارہ گھنٹے بھی کام کرنے کو تیار ہیں۔

گوتم: یہ کیسے ہو سکتا، اگر آج ہم مالکوں کے سامنے گر گئے تو کل وہ اپنے جوتوں تلے روند دیں گے، ہمیں جنگ کرنی ہے، اپنا حق لینا ہے۔ بھیک نہیں مانگنی ہے۔

رشید: لیکن اگر کوئی بھوک برداشت نہ کر سکا تو ؟

گوتم: ارے تم لوگوں کو زندگی میں ایک ہی پائیدار چیز ملی، بھوک، بھوک ـــــ اس کو برداشت کرنا ہوگا، سینے پر پتھر رکھنا ہوگا، میں خود شیکھر کے ساتھ تین بار دوارکا پرساد سے مل آیا ہوں، لیکن یہ برتر کلاس، یہ برتر سماج ہمارے لئے کچھ نہیں رکھتا رشید، ہمارے لئے کچھ نہیں رکھتا۔

رشید: میں نے اب تک تمام مزدوروں کو سمجھایا ہے لیکن آخر کب تک ـــــ وہ جاہل لوگ کچھ نہیں سمجھتے، اس کے ساتھ ساتھ دوارکا پرساد کے غنڈے اور پولس انھیں پریشان کرتے ہیں، آج کئی مزدور ہوتے پولس جمعہ خان اور سلیم کو پکڑ کر لے گئی تھی ـــــ اس جرم پر کہ وہ اپنی فیکٹری کے اندر گھر دیا ئے گئے۔ ـــــ ان

کو تھلنے میں مارا پیٹا گیا اور ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوششیں کی گئیں،
اب تو دیکھتا ہوں کہ ہڑتال چلانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔

گوتم: نہیں نہیں، ہمت ہارنے سے اپر کلاس ہمیں ہمیشہ کے لئے کچل کر رکھ دے گا ____ ہماری آواز ایک ہونی چاہیئے، ہمارا مقصد بہت عظیم ہے، ہم صرف ان مزدوروں کی آنکھوں سے آنسو پونچھنا چاہتے ہیں، ہم انھیں محل دینے کا وعدہ نہیں کرتے ____ دنیا کی کوئی طاقت ان کو جائز حق لینے سے روک نہیں سکتی۔

(پیچھے سے "مزدور زندہ باد"، "گوتم زندہ باد"، "دنیا کے مزدور ایک ہوں کے نعرے)

رشید: مزدور سب تم سے ملنے کے لئے یہاں آرہے ہیں، شیکھر کی موت کے بعد وہ گھبرا سے گئے ہیں، تمہیں انھیں سہارا دینا ہے، ان کے حوصلوں پر کچھ آہنی دھار رکھ دو، انھیں ایک نئی زندگی دو۔

(وہ لوگ ونگیس سے قریب آتے ہیں)

ایک مزدور: بابو جی، اب ہمارا کیا ہوگا؟

دوسرا مزدور: گوتم بابو، ہماری زندگی میں بھیانک طوفان آیا، ہم بے دم ہو رہے ہیں۔

تیسرا مزدور: گوتم بابو، ہم کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا ہے۔

(گوتم ایک لمحہ سوچتا ہے، پھر اسٹیج پر ٹہلتا ہے، اس کے بعد کہنا شروع کرتا ہے)

گوتم: کامریڈ! آج میں تم لوگوں کی آنکھوں میں ناامیدی کی جھلک دیکھ رہا ہوں، تم سب آج ایک ڈرپوک اور بزدل آدمی کی طرح کانپ رہے ہو ____ تمہاری آنکھوں میں اندھیرے چھا رہے ہیں۔ تمہارے قدم لڑکھڑانے لگے ہیں۔ ان لڑکھڑاتے قدموں سے اس بورژوا سماج اور دوارکا پرساد کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی

آستین میں بھیانک سانپ ہیں، ایسے ایسے اژدہے جو سماج کی مختلف سطحوں پر تم سبھوں کو ڈستے ہیں ، وہ تم پر ظلم کرتا ہے، تمہیں مناسب پگار نہیں دیتا، تمہارے گھر میں صدیوں سے خوشیاں لوٹی ہی نہیں، تم نے سپنوں میں زندگی بتا دی ــــ لیکن ایک بات یاد رکھو، آج ایک بار تم ہار گئے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ہزاروں سال تک غلامی کی زنجیر سے آزاد نہیں کرا سکتی ہے، تم کو لڑنا ہے، اپنی جنگ جاری رکھنی ہے۔ اس نابرابری کے خلاف جہاد کرنا ہے ــــ اور تھوڑا بہت دکھ جھیلنا ہے ــــ کامریڈ اپنے ہاتھوں کو مضبوط کرو ــــ تمہارے لئے یہ ایک انقلاب ہے، جو کل پورے سماج کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا۔

ایک مزدور: ٹھیک ہے گوتم بابو، آپ کہتے ہیں تو ہم جنگ لڑیں گے، ہم بھوکوں مر جائیں گے، لیکن ہڑتال ختم نہیں ہوں گے، آؤ دوستو، ہم وہی کریں گے جو گوتم بابو کہتے ہیں۔

(یہ کہہ کر وہ نکل جاتا ہے)

گوتم: (رشید سے) رشید، میں آج پھر مالک سے بات کرنے جاؤں گا، ان سے کہوں گا کہ وہ اب بھی غریبوں کی مانگیں مان لیں۔ تم سب لوگ OFFICE میں میرا انتظار کرو۔

رشید: سنبھل کر جانا گوتم ــــ ان امیروں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔

(دونوں نکل جاتے ہیں، پردہ گرتا ہے)

تیسرا منظر

(یونین آفس میں تین مزدور بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں، مزدوروں کا لباس کہیں کہیں پھٹا ہوا، عمر کے لحاظ سے سب لوگ الگ ہیں)

منگل چاچا: رامو آج ہماری فیکٹری کو بند ہوئے کتنے دن ہوئے ہیں۔

رامو: آج اکاون دن ہوئے منگل چاچا۔

منگل چاچا: (چونک کر اُٹھتے ہوئے) اکاون دن، باپ رے اتنے دن ہو گئے اور ہم اب تک زندہ ہیں۔

رامو: بھگوان ہمارے ساتھ ہے چاچا، جب تک وہ نہیں چاہے گا، ہم مر نہیں سکتے۔

منگل چاچا: ارے رامو، تیرا بھگوان تو دوار کا پرساد کے گھر دبا بیٹھا ہے۔ وہ ادھر تو دیکھتا ہی نہیں، کیا تجھے نہیں معلوم کہ ہماری سانسیں کس قدر گردی ہو چکی ہیں۔

رامو: ایسا مت کہو چاچا، اگر وہ ناراض ہو گیا تو اور اکاون دن ہم ایسے ہی گزار دیں گے، ابھی تو پانی مل رہا ہے، پھر ہمیں پانی بھی نہیں ملے گا۔

منگل چاچا: ہاں رامو، کیا کریں، اب تو یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔ دو دو تین تین دن گزر جاتے ہیں تو بچوں کو کھانا نصیب ہوتا ہے، پیٹ جلتا ہے تو بچے چلاتے ہیں، پھر کچھ برداشت نہیں ہوتا رامو، چھ چھ بچے، اُن کی آنکھوں میں بھوک دیکھتے دیکھتے میں پتھر آگیا ہوں۔ اب تو بھگوان سے یہی دُعا ہے کہ مجھے ہی اُٹھا لے۔

رامو: ایسی اُداس باتیں کیوں کرتے ہو منگل چاچا، ابھی تو ہمیں لڑنا ہے، اپنے "مل" کے لئے تھوڑی قربانیاں دینی ہیں۔

منگل چاچا: (اٹھتے ہوئے) کیسی قربانی رامو، کیسی قربانی، کیا تیس سال سے ہم اس "مل" کو اپنا خون پسینہ نہیں دے رہے ہیں۔ کیا ہم نے پوری جوانی اس فیکٹری کو ارپن نہیں کی۔ کیا فیکٹری کی ایک ایک اینٹ پر ہمارے نام نہیں لکھے ہیں پھر اور کیسی قربانیاں کیا یہ کم ہیں۔

رامو: یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تمہاری زندگی کو کیا ملا۔ سب منافع تو دوارکا پرساد لے گیا۔ وہ چنڈال جس کی آنکھوں میں ہمارے لئے کوئی ہمدردی نہیں بچی۔

منگل چاچا: (قریب آتے ہوئے) یہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔ آج ہم نے تھوڑی سی مانگیں رکھی ہیں تو مالک اس قدر اکڑ گیا ہے، ارے رامو، ہم نے ایسے دن بھی دیکھے ہیں جب مالک اپنے نوکروں کے پاس ان کی ہمت بڑھانے آیا کرتے تھے۔ یہ کلجگ ہے رامو۔ یہاں انسان انسان کی تجارت کرتے ہیں پر تیرے گھر میں سب ٹھیک ہے نا۔

رامو: (اٹھتے ہوئے) ٹھیک تو کہیں بھی نہیں چاچا، ٹھیک تو کہیں بھی نہیں، میری شادی کو چھ مہینے گزرے ہیں، نئی نئی دلہن آئی ہے، کتنے ارمان ہوں گے۔ اس کی کتنی خواہش ہوگی، اس نے کیا کیا سوچا ہوگا، اپنا گھر ہوگا تو ساری خوشی اپنی ہوگی، لیکن چاچا آنکھوں میں خون اتر آتا ہے جب میں اس کے چہرے کو دیکھتا ہوں۔

منگل چاچا: کیوں کیا ہوا اسے لاکو، ٹھیک تو ہے نا، اسے کچھ ہوا تو نہیں۔

رامو: (گلوگیر آواز میں) بھوک برداشت کر لیتی ہے اس لئے ٹھیک ہے، ساری پونجی بیٹھے بیٹھے کھا گئے۔ گھر کا سامان بک گیا، اب تو کچھ بچا نہیں، چاچا اور ایک روز گزرے تو ہمارے پاس ستو کے پیسے بھی نہیں رہیں گے۔

منگل چاچا: کیا تیری ہمت ٹوٹ رہی ہے کیا تو میری طرح ....

رامو: نہیں چاچا نہیں، گھر گھر بھوک دیکھتا ہوں تو اپنے پر قابو نہیں رہتا ہے، اس قدر غصہ آتا ہے کہ جیسے ساری دھرتی کو جلا کر راکھ کر دوں۔ جب نئی نویلی بیوی کے چہرے کو پل پل گھلتے دیکھتا ہوں تو جی کرتا ہے کہ دوارکا پرساد کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔

منگل چاچا: پر رامو، ہمارے پاس اتنی طاقت کہاں، ہم غریب لوگ دن رات محنت کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

رامو: کیا نہیں کر سکتے چاچا، ہم عوام کی طاقت ہیں، جب بھوک مدت بن کر ناچنے لگے گی تو ہم بھی چپ نہیں بیٹھیں گے، تم جانتے ہو شام راج کے گھر کیا ہو رہا ہے۔

منگل چاچا: کیا ہو رہا ہے وہاں؟

رامو: اس کے بچے بیمار ہیں، دوائی کے پیسے نہیں ہیں ان کے پاس، گھر گھر دوڑ رہے ہیں لیکن کہیں کچھ نہیں ملتا۔ بھوک سے بچے نڈھال ہو رہے ہیں، اس کا چہرہ دیکھو گے تو لگے کہ اکال سے پھٹی ہوئی دھرتی دیکھ رہے ہو۔ کل اس کا چھوٹا بچہ مرتے مرتے بچا۔

(اتنے میں پاس بیٹھا ہوا ایک اور مزدور اٹھتے ہوئے بولا)

تیسرا مزدور: ہاں رامو تم ٹھیک کہتے ہو۔ کل وہ تالاب کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ ہڑتال اس کے گھر کے چراغ کو بجھا کر رہے گی۔ وہ تو گو تم بھی گالیاں بک رہا تھا، کہتا تھا کہ سب بیکار ہے۔ پھر سے جا کر دوارکا پرساد کے سامنے گڑگڑاؤ تبھی نجات مل سکتی ہے۔

رامو: (مٹھی بھینچتے ہوئے) نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے بدن میں جس قدر خون باقی ہے ہم لڑیں گے۔ ہم اب دوارکا پرساد کے آگے نہیں جھک سکتے۔ ہماری بھی کوئی عزت ہے، بولو چاچا۔

منگل چاچا: گوتم اب آتا ہی ہوگا۔ دوارکا پرساد کے گھر اس کی میٹنگ ہے، دیکھیں کیا خبر لاتا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہو، لیکن اگر ہڑتال جاری رہی تو ہم سب مر جائیں گے۔

(یہ کہہ کر وہ بیٹھ جاتا ہے)

رامو: گوتم پر ہم لوگوں کو پورا بھروسہ ہے۔ اس نے اپنا گھر اپنا سکھ سب چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیا۔ ہم اس پر شک نہیں کر سکتے۔

تیسرا مزدور: (غصہ و طنز کے ساتھ) اعتبار کرتے تو مہینوں گذر گئے۔ مل آج بھی اسی طرح بند ہے، کام نہیں ہوتا تو ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلتا۔ اور پھر رامو بغیر کام کئے ہمیں اچھا بھی کب لگتا ہے۔ مشینوں پہ دھول جم گئی ہوگی۔ میری بات مانو، مالک سے معافی مانگ لو، وہ ہمیں معاف کر دے گا۔ اس طرح ہم مزدور تحریک نہیں چلا سکتے۔

(استنے میں رشید داخل ہوتا ہے)

رشید: کیا بکتے ہو تم لوگ، کیا مزدوروں کی تحریک کامیاب نہیں ہوتی، کیا مزدور کبھی جنگ نہیں لڑے، کیا روس نے ہمیں مزدوروں کے خون کی قیمت نہیں بتائی۔ آج جس امریکہ کے بارے میں تم خواب دیکھتے ہو وہیں سے ہمارے لئے لال جھنڈے آئے ہیں۔ سمجھے! گوتم بے غرض لڑ رہا ہے اور تم لوگ اس پہ شک کرتے ہو۔

مزدور: ہم کہاں کہتے ہیں کہ وہ مالک سے مل گیا، ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ بھوک اژدہے کی طرح ہم کو ڈستی ہے اور اب برداشت نہیں ہوتا۔

رشید: بھوک ہی تو برداشت کرنی ہے، ہماری جنگ تو ان مالکوں سے ہے، جنھیں ہمارے وجود پر یقین نہیں، ہم ان پر ثابت کر دیں گے کہ محنت دنیا میں سب سے برتر ہے، دولت سے بھی ــــــــ اور پھر گوتم آتا ہی ہوگا۔ میں نے سنا ہے کہ دوارکا پرساد کے گھر سے نکل چکا ہے۔

منگل چاچا: (اٹھتے ہوئے) بھگوان کرے گوتم اس بار کامیاب آئے، ہم دھندے

پر چلے جائیں ۔۔ ہمارے پریوار کو کچھ دال روٹی ملے ۔ بس اور کیا چاہیئے ۔
(وہ نکل جاتا ہے)

رشید : تم کو صرف دال روٹی ہی نہیں، تمہارا جائز حق ملے گا ۔ دیکھتے نہیں، آسمان کا ہر کنارہ آہستہ آہستہ لال ہو رہا ہے ۔ تم سب ہزار بار بھوک کی آگ میں جل چکے ۔ اب یہ جنگ انسان اور خون چوسنے والے اژدہے سے ہے ۔ یہ وہ اژدہا جو تمہاری ہر سانس پر وار کرتا ہے، تمہارے ذہن کو خریدتا ہے، تمہارے جسم کی نمک کو گھلا دیتا ہے ۔ تمہارے پسینے اور خوں کو چند سکّوں میں خریدتا ہے اور اسے آمدنی کا نام دیتا ہے ۔

(اتنے میں گوتم داخل ہوتا ہے، چہرے پر اُداسی اور ناکامی کے آثار ہیں وہ ایک کونے میں کھڑا ہوتا ہے)

رشید : گوتم تم بہت خاموش ہو، کوئی بات بنی دوست، ؟

گوتم : معلوم نہیں مزدوروں کی یہ جنگ کب تک چلے، لیکن میرے اندر قوت باقی ہے ۔

رشید : آخر دوارکا پرساد سے کیا بات ہوئی، کیا انھوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں سوچا ۔

گوتم : INDUSTRIALIST صرف اپنا منافع سوچتا ہے ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا رشید، غریب مزدوروں کی مانگ اس کے سینے پر لوٹتے ہوئے سانپ ہیں، وہ مزدور کو صرف مزدور کا درجہ دیتے ہیں انسان کا نہیں، انھوں نے ہماری مانگوں کو ردی کی ٹوکری میں اٹھا کر پھینک دیا ہے ۔

(تھوڑی دیر کا سناٹا ۔ اچانک بتی گل ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ روشنی آتی ہے)

مزدور : اب کیا ہوگا، ہم کیسے زندہ رہیں گے ؟

گوتم : ہوگا کیا ! مزدور زندگی میں سہتا آیا ہے، اب وہ زندگی بھر لڑتا رہے گا

_____ ہمیں جھکنا نہیں، اگر وہ صرف ایک مالک چاہتے ہیں تو وہ ہم ہوں گے۔ کاندھے سے کاندھا ملا کر، قدم سے قدم ملا کر ہم جنگ کریں گے۔ یہ جنگ جاری رہے گی۔

(اچانک شیام راج اپنے مردے بچے کو لے کر داخل ہوتا ہے، اسٹیج کے بالکل سامنے اسے رکھ دیتا ہے اور گلوگیر آواز میں کہنا شروع کرتا ہے۔ روشنی صرف اسی پر مرکوز رہتی ہے)

شیام راج: بیٹا راجو آنکھیں کھول، دیکھ بیٹا میں تیرا بدنصیب باپ، تجھے جگانے آیا ہوں۔ میں تیرے لئے روٹی لاؤں گا _____ میں تیری بھوک کو دور کر دوں گا۔ اُٹھ میرے لال میں دوارکا پرساد کے گھر جاؤں گا۔ اس کی چوکھٹ پر سر رکھ دوں گا۔ میں ہڑتال نہیں کروں گا۔ وہ مجھے روٹی دے گا، ہاں وہی دوارکا پرساد، وہ اس دھرتی کا بھگوان ہے، دکھ اور درد سے اوپر اس کے پاس کھنکتے سکے ہیں، ہاں ان سکوں کی گونج میں پیٹ کی آگ بجھ جائے گی، بیٹا راجو آنکھیں کھول، یہ دنیا بہت حسین ہے۔ اُٹھ میں کہتا ہوں، میں تجھے خون دوں گا، اتنا خون کے تو کھلی سرخ ہو جائے گا۔ اے بھگوان میرے راجو کو لوٹا دے بھگوان۔ میں اور نہیں کروں گا۔ میں اور نہیں کروں گا، مجھ کو راجو دے، مجھ کو راجو دے نہیں تو میں مر جاؤں گا۔

(وہ روتا ہے، رونے کی آواز _____ اچانک اندھیرا _____ پس منظر سے آواز)

آواز: ؎

ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک کہ یہ غم کی سیاہ رات چلے

(آہستہ آہستہ روشنی واپس آتی ہے)

ہاں میں ایک مزدور ہوں۔ میں بھول گیا تھا کہ میں ایک مزدور ہوں۔ میں نے زر سے ٹکرانے کے لیے صف باندھی اور بھوک میرے بچے کو نگل گئی۔ میں نہیں بھولوں گا کہ یہ دنیا صرف سرمایہ دار کا پرساد کی ہے۔ یہی ہندوستان ہے، میں ان کا غلام، صرف خدمت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں ——— SUGAR MILL کا ایک معمولی ملازم ——— میری زندگی ایک سیٹی کی غلام ہے جس کے سننے کے بعد میں کارخانہ میں پسنے کے لیے چل پڑتا ہوں اور دوسری سیٹی کے ساتھ گھر میں سڑنے لگتا ہوں۔

(روشنی آتی ہے) میں بزدل ہوں، میں بزدل ہوں .... (رونے لگتا ہے)

گوتم: (پاس آتے ہوئے) شام راج مجھے افسوس ہے، پر ہمت رکھو دوست، یہ دُنیا بہت ظالم ہے۔ تم آنسو بہاؤ گے تو یہ دنیا تمہارے آنسوؤں کو بھی چھین لے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں شام راج۔

شیام راج: میرے ساتھ ہو، تم کون ہو بھائی؟ میرے ساتھ کوئی بھی نہیں، کوئی بھی نہیں، دنیا کا ہر مزدور اکیلا ہے ——— وہ صرف مرتا ہے، مرتا مرتا ہے۔

گوتم: اب کوئی مزدور اکیلا نہیں، دیکھو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارے لئے ہی جنگ لڑ رہے ہیں، تم نراش کیوں ہوتے ہو۔

شیام راج: تم میرے ساتھ ہو، تم سب میرے ساتھ ہو، ٹھیک ہے تو میرے ساتھ آؤ۔ میرے بچے کو جگاؤ، جگاؤ میرے بچے کو، تم [illegible] ساتھ نبھاؤ (وہ ایک، ایک کر کے کھڑے ہوئے تمام لوگوں کے پاس جاتا ہے) تم جگاؤ، تم جگاؤ (تیسرے کے پاس) لادو میرے راجو کو لاؤ (غصہ ہوتا ہے پھر چوتھے کے پاس) لادو میرے بھائی، راجو کو لادو۔ وہ چار دنوں سے بھوکا ہے، اسے کھانا چاہیئے ——— میں تمہارے پاؤں پکڑتا ہوں۔ اٹھاؤ.......

رشید: شام راج صبر کرو، دیکھو اس طرح دل چھوٹا نہ کرو۔ راجو تمہارا ہی نہیں سب کا بچہ ہے۔ شام راج بھروسہ رکھو۔ ہم اسی لئے لڑ رہے ہیں کہ کل ہر بچہ کھیلنے کے

وقت کھیلا کرے اور پڑھنے کے وقت پڑھا کرے ......

شیام راج : کون سالا کہتا ہے کہ راجو اس کا لڑکا ہے۔ وہ صرف میرا تھا، میرا اپنا، اس کی موت صرف مجھ کو رُلاتی ہے اور کسی کو نہیں۔ (پھر گوتم کو دیکھ کر) تم نے میرے بچے کو مارا ہے۔ تم نے ...... کم ظرف! تم نے ہمیں دوارکا پرساد کے خلاف کھڑا کیا ہے۔ تم نے ہمیں ہڑتال پر اکسایا تھا۔ تم خونی ہو، تم خونی ہو، لاؤ میرے بچے کو لاؤ، میرا بچہ واپس کرو، میں کہتا ہوں میرا بچہ واپس کردو۔ (وہ اس کی قمیض پکڑتے ہوئے پاؤں کی طرف جھکتا اور روتا ہے)

رشید : (اسے جھنجھوڑتے ہوئے) یہ تم کیا کر رہے ہو شام راج، شام راج، ذرا ہوش میں آؤ۔ غم میں اس طرح پاگل نہیں ہوتے۔ ہماری زندگی کا مطلب ہی تو غم ہے۔

شیام راج : میرے بچے کو لوٹا دو۔ مجھے میرا بچہ چاہیئے۔ مجھے بچہ چاہیئے۔ (گوتم کا گریبان پکڑ کر) مجھے میرا بچہ لوٹا دو۔

گوتم : شام راج، مجھے معاف کردو، شام راج مجھے معاف کردو، میں تمہارا بچہ تو نہیں لوٹا سکتا، تم کہو تو اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔ میری طرف دیکھو شام راج میری طرف... !

شیام راج : (نیم پاگلوں جیسی ہنسی ہنستے ہوئے) معاف کر دوں، تمہیں معاف کر دوں، ہا ہا ہا .... ہا ہا ہا .... (پھر غصّہ میں) جاؤ معاف کیا، جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا، ہماری زندگی ایک کالی رات ہے، ہاں بھیانک کالی رات، دور تک سویرا نہیں، ہا ہا ہا ...... سالا کتا جیسی زندگی ...... سورج بھی کالا ہے، ہمارے لئے اس کے پاس کوئی کرن نہیں ...... دوارکا پرساد ــــــ ہمارا مالک ــــــ دوارکا پرساد جگمگاتا ہے، ہاں دوارکا پرساد دیو کی طرح مشین مزدوروں کے سینے پر بیٹھا ہے ــــــ جاؤ اس سے معافی مانگو ــــــ جاؤ ــــــ ہا ہا ہا ــــــ وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ (اچانک اپنے

مرد ے بیٹے کی طرف آہستہ اور نرمی کے ساتھ) لیکن میرا راجو، میرا راجو، وہ تو چلا گیا۔ جلاؤ سب کو، میرے بچے کے ساتھ سب کی راکھ اڑاؤ، جلاؤ، میں کہتا ہوں ..... (وہ گوتم کو بگڑتا ہے)

رشید: (سامنے آکر) چلو شام راج، اپنی کھولی میں چلو، اپنے کو سنبھالو۔

شیام راج: (ہاتھ چھڑا کر) جلاؤ جلاؤ، کیوں جلاؤ (وہ روتا ہے) لیکن تمہارے پاس تو آگ نہیں، ایک دم آگ باقی نہیں ہے۔

(رشید اس کو لے کر باہر کی طرف مڑتا ہے اور پھر اندر آتا ہے۔ دوسرا مزدور اس کے بیٹے کی لاش کی طرف جھکتا ہے)

گوتم: اس بچے کو یہیں رہنے دو، میں جانتا ہوں اس معصوم خون کا ذمہ دار کون ہے۔ اس کی روح کو کس نے مروڑ دیا ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس بچے کی سوگند وہ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا رشید۔

رشید: تم کیسے نہیں چھوڑو گے؟

گوتم: وہی دوارکا پرساد جس نے اس بچے کی آنکھوں سے روشنی چھین لی ہے، وہی جس نے اس کی کھلتی ہوئی زندگی کو جلا کر راکھ کر ڈالا، وہ ہماری سانسوں کا مالک نہیں بن سکتا۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا رشید۔ میں اس کا بدلہ لوں گا، میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا ـــــــ

(یہ کہتا ہوا وہ نکل جاتا ـــــــ ہے)

(پردہ)

چوتھا منظر

(دوارکا پرساد SUGAR MILL کا مالک اپنے WAITING ROOM میں غصّہ میں شراب ڈھالتا اور پیتا ہے۔ PAMPHLETS، اشتہار اور مزدوروں کی مانگیں تحریری طور پر بکھری پڑی ہیں)

دوارکا پرساد: (ٹہلتے ہوئے) اسٹرائیک! اسٹرائیک!! اسٹرائیک!!! ڈھائی مہینے سے مزدوروں نے موڈ خراب کر دیا ہے۔ پیسہ بڑھاؤ، ہر جانہ دو، ڈیوٹی کم کرو۔ —— لگتا ہے پوری جایداد ان کے نام کر دوں۔ (وہ شراب ڈھالتا ہے اور پھر ادھر ادھر ٹہلتا ہے)۔ مالک کا اپنا چارہ نہیں چلے گا، ظلم بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے، ہوں، ان کم ظرفوں کو نہیں معلوم کہ اس دو ڈھائی مہینے میں کئی لاکھ کا نقصان ہوا، پورا ملک اس نقصان کی زد میں آجائے گا۔ (وہ گیٹ کی طرف جاتا ہے۔ بے چینی کی حالت میں باہر دیکھتا ہے، پھر TAPE شروع کرتا۔ TAPE میں ایک انگریزی دھن بجتا ہے —— دو چار قدم پھر چلتا ہے، شراب خالی کرتا ہے اور TAPE بند کر دیتا ہے)۔ کہاں مر گیا یہ کمبخت انسپکٹر رنجیت، حرام زادہ صرف مال کھاتا ہے۔ گوتم کو نہیں کھا سکتا۔ پتہ نہیں مزدور کب فیکٹری کو نقصان پہنچائیں —!

(باہر سے دستک ہوتی ہے) COME IN!

انسپکٹر رنجیت: (داخل ہوتے ہوئے) GOOD MORNING SIR!

دوارکا پرساد: تمہارے آنے میں اسقدر دیر کیوں ہوئی ؟

انسپکٹر رنجیت: SIR میں مزدوروں کے علاقے میں حالات معلوم کرنے گیا تھا ۔

دوارکا پرساد: حالات معلوم کرتے رہ جائیں گے آپ، اور ہمارا لاکھوں کا نقصان ہوتا رہے گا۔ آخر کب تک حالات معلوم کرتے رہیں گے ۔

انسپکٹر: SIR مزدور بہت بپھرے ہوئے ہیں۔ ان سے نہایت ہوشیاری اور حکمت عملی سے نپٹنا ہے۔ آخر وہ بھی انسان ہیں ۔

دوارکا پرساد: ان کو انسان کہتے ہو ۔ یہ مٹی کے بنے ہوئے پتلے انسان ہیں۔ یہ جانور ہیں صرف جانور ۔

انسپکٹر: لیکن جانور بھی کبھی بھی بھیانک ہو جاتا ہے ۔ میں ان لوگوں کی ہر پل کی خبر رکھوں گا جب بھی موقع ملے گا سر، گوتم کو گرفتار کر لیا جائے گا ۔

دوارکا پرساد: گرفتار کرنے کے لئے موقع کی ضرورت پڑتی ہے، شاید آپ پولس کے محکمے میں زیادہ دنوں سے نہیں ہیں، انسپکٹر رنجیت، گوتم جیسے جوشیلے جانور کو گرفتار کرنے کے لئے موقع بنانا پڑتا ہے ۔ سمجھے آپ ! میں اس کو اور برداشت... نہیں کر سکتا، وہ دو بار مجھے دھمکیاں دے کر گیا ہے ۔

انسپکٹر: سر! بنا کسی ٹھوس وجہ کے گوتم کو گرفتار کر لیتے ہیں تو مزدور برداشت... نہیں کریں گے ۔ وہ تھانے کو آگ کی نذر کر سکتے ہیں وہ پولس چوکی پر حملہ کر سکتے ہیں۔ گوتم غریبوں کی آخری امید ہے سر ۔

دوارکا پرساد: (تیز قدموں کے ساتھ) میں اس امید کی کرن کو ہمیشہ کے لئے بجھا دینا چاہتا ہوں۔ جاؤ اس کو ختم کروا دو ۔ پیسہ کی فکر نہ کرو ۔ میں جو بھی بات کہتا ہوں بالکل ڈائریکٹ کہتا ہوں سمجھے ۔

انسپکٹر: میں قانون کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں کیسے لے سکتا ہوں ۔ میں تو اپنی بساط سے زیادہ آپ کی مدد کر رہا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ مل کے قریب کے

حالات ابھی کیا ہیں ؟

دوارکا پرساد: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ؟

انسپکٹر: میں آپ کو موجودہ حالات سے باخبر کرنا چاہتا ہوں کل رات کارخانے کے قریب سے میں نے چار مزدوروں کو گرفتار کیا ہے ۔ وہ کارخانے کے ارد گرد مشتبہ حالت میں پائے گئے تھے ۔ ان سے سوال کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی حالت خستہ ہو گئی ۔ ان کی بھوک نے گوتم سے اعتبار چھیننا شروع کر دیا ہے اور ہاں میں نے سُنا ہے کہ کل رات شیام راج ، جو آپ کے کارخانے کا پرانا مشین مین تھا ، پاگل ہو گیا ، اس کا بیٹا بھوک سے مر گیا میری بات مانئے تھوڑا اور انتظار کر لیجئے ۔ ہم گوتم کو یا تو گرفتار کر لیں گے یا پھر اپنی شرطوں پر مُجھکا لیں گے ۔

دوارکا پرساد: (غصے میں) انتظار انتظار ، میرا جیسا آدمی انتظار نہیں کرتا ، وہ اپنی خواہش کو گردن سے پکڑ لیتا ہے رمیں اور نہیں رکوں گا ۔ میں دیوالیہ ہونا نہیں چاہتا ۔ ایسے ہی کئی لاکھ کا نقصان اٹھا چکا ہوں ۔ (تھوڑی دیر کی خاموشی) رامو ، رامو ۔

رامو: (بوڑھا نوکر جو برسوں سے دوارکا پرساد کا نمک کھاتا آ رہا ہے) آیا سرکار ۔

دوارکا پرساد: وہسکی کا دو پیگ بنا ۔

رامو: ابھی بنایا سرکار ۔

انسپکٹر: سر آپ LABOUR MINISTER سے کیوں نہیں ملتے ، شاید وہ کوئی راستہ آپ کے لئے نکالیں ۔

دوارکا پرساد: ہاں وہ آ رہے ہیں ، میں نے ان سے بات کی ہے ۔ ارے یہ تمام لوگ صرف پیسہ کھاتے ہیں ۔ کام ٹھیک سے نہیں کرتے ، میں آنیوالے الیکشن میں سب کو دیکھ لوں گا ۔

رامو: (گلاس لاتے ہوئے) لیجئے حضور پیگ تیار ہے ، ذرا پانی کم ملایا ہے اس لئے کڑا ہو گیا ہے ۔

دوارکا پرساد: بکو مت ، زیادہ بولنا مجھے پسند نہیں ، اپنے کام سے کام رکھو (اچانک

سینے میں درد محسوس کرتا ہے) دیکھو انسپکٹر مجھے ایک بار اٹیک ہو چکا ہے۔
تم لوگ مشین کی طرح کام کرو، اور جاؤ۔

(پولس انسپکٹر نکل جاتا ہے)

رامو: سرکار ابھی سینہ میں درد ہوا ہے، ڈاکٹر صاحب کو بلا لیجئے۔

دوارکا پرساد: ڈاکٹر میرے مرض کی دوا نہیں رامو، تم نہیں جانتے کہ میں کس طرح پریشان ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آقا اور نوکر برابر رہیں۔

رامو: آقا تو پھر بھی آقا ہیں سرکار، وہی تو ہم کو کھانا دیتے ہیں۔ وہ نوکر کے برابر نہیں، وہ نوکر سے بہت بلند ہیں۔

دوارکا پرساد: یہی بات تمہارے غریبوں کے ہمدرد کی سمجھ میں نہیں آتی، کم ظرف نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ بکتا بھی نہیں۔ (وہ شراب کا پیالہ خالی کرتا ہے اور سگریٹ جلاتا ہے)

رامو: ہر آدمی نہیں بکتا سرکار، کچھ آدمی انسان بھی ہوتے ہیں۔

دوارکا پرساد: اے چپ! دوسرا پیگ بنا اور کام کر۔ (اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجتی ہے اور کوئی دستک دیتا ہے)

دوارکا پرساد: دیکھ کون آیا ہے۔ جا اندر بلا لا۔

(رامو جاتا ہے اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص، جس کے بال سفید، آنکھوں میں چشمہ لگائے داخل ہوتا ہے۔ یہ LABOUR MINISTER ہیں)

رامو: یہاں کے سرکار ہیں ـــــ سرکار!

دوارکا پرساد: آئیے، آئیے شرما جی، بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔ اگر اسی طرح آپ جیسے نیتا دیر کرتے رہیں گے تو ہمارے دیش کا کلیان ہو چکا۔

شرما جی: ارے کیا ہوا۔ اتنے پریشان کیوں دکھائی دیتے ہیں آپ۔ پہلے کچھ جل پان کریں۔ تھوڑی دیر بیٹھئے تو کچھ بات ہوگی۔

حالات ابھی کیا ہیں ؟

دوارکا پرساد : آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ؟

انسپکٹر : میں آپ کو موجودہ حالات سے باخبر کرنا چاہتا ہوں کل رات کارخانے کے قریب سے میں نے چار مزدوروں کو گرفتار کیا ہے ۔ وہ کارخانے کے ارد گرد مشتبہ حالت میں پائے گئے تھے ۔ ان سے سوال کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی حالت خستہ ہو گئی ۔ ان کی بھوک نے گوتم سے اعتبار چھیننا شروع کر دیا ہے اور ہاں میں نے سنا ہے کہ کل رات تیام راج ، جو آپ کے کارخانے کا پرانا مشین مین تھا ، پاگل ہو گیا ، اس کا بیٹا بھوک سے مر گیا ۔ میری بات مانئے تھوڑا اور انتظار کر لیجئے ۔ ہم گوتم کو یا تو گرفتار کر لیں گے یا پھر اپنی شرطوں پہ جھکا لیں گے ۔

دوارکا پرساد : (غصے میں) انتظار انتظار ، میرا جیسا آدمی انتظار نہیں کرتا ، وہ اپنی خواہش کو گردن سے پکڑ لیتا ہے ، میں اور نہیں رُک سکوں گا ۔ میں دیوالیہ ہونا نہیں چاہتا ۔ ایسے ہی کئی لاکھ کا نقصان اٹھا چکا ہوں ۔ (تھوڑی دیر کی خاموشی) رامو ، رامو ۔

رامو : (بوڑھا نوکر جو برسوں سے دوارکا پرساد کا نمک کھا رہا ہے) آیا سرکار ۔

دوارکا پرساد : وہسکی کا دو پیگ بنا ۔

رامو : ابھی بنایا سرکار ۔

انسپکٹر : سر آپ LABOUR MINISTER سے کیوں نہیں ملتے ، شاید وہ کوئی راستہ آپ کے لئے نکالیں ۔

دوارکا پرساد : ہاں وہ آرہے ہیں ، میں نے ان سے بات کی ہے ۔ ارے یہ تمام لوگ صرف پیسہ کھاتے ہیں ۔ کام ٹھیک سے نہیں کرتے ، میں آنیوالے الیکشن میں سب کو دیکھ لوں گا ۔

رامو : (گلاس لاتے ہوئے) لیجئے حضور پیگ تیار ہے ، ذرا پانی کم ملایا ہے اس لئے کڑا ہو گیا ہے ۔

دوارکا پرساد : بکو مت ، زیادہ بولنا مجھے پسند نہیں ، اپنے کام سے کام رکھو (اچانک

سینے میں درد محسوس کرتا ہے) دیکھو انسپکٹر مجھے ایک بار اٹیک ہو چکا ہے.
تم لوگ مشین کی طرح کام کرو، اور جاؤ ۔

(پولس انسپکٹر نکل جاتا ہے)

رامو: سرکار، ابھی سینہ میں درد ہوا ہے، ڈاکٹر صاحب کو بلا لیجئے ۔

دوارکا پرساد: ڈاکٹر میرے مرض کی دوا نہیں رامو، تم نہیں جانتے کہ میں کس طرح پریشان ہوں ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آقا اور نوکر برابر رہیں ۔

رامو: آقا تو پھر بھی آقا ہیں سرکار، وہی تو ہم کو کھانا دیتے ہیں ۔ وہ نوکر کے برابر نہیں، وہ نوکر سے بہت بلند ہیں ۔

دوارکا پرساد: یہی بات تمہارے غریبوں کے ہمدرد کی سمجھ میں نہیں آتی، کم ظرف نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے ۔ بکتا بھی نہیں ۔ (وہ شراب کا پیالہ خالی کرتا ہے اور سگریٹ جلاتا ہے)

رامو: ہر آدمی نہیں بکتا سرکار، کچھ آدمی انسان بھی ہوتے ہیں ۔

دوارکا پرساد: اے چپ! دوسرا پیگ بنا اور کام کر ۔ (اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجتی ہے اور کوئی دستک دیتا ہے)

دوارکا پرساد: دیکھ کون آیا ہے ۔ جا اندر بلا لا ۔

(رامو جاتا ہے اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص، جس کے بال سفید، آنکھوں میں چشمہ لگائے داخل ہوتا ہے ۔ یہ LABOUR MINISTER ہیں)

رامو: یہاں کے سرکار ہیں ___ سرکار!

دوارکا پرساد: آئیے، آئیے شرما جی، بہت دیر کی مہرباں آتے آتے ۔ اگر اسی طرح آپ جیسے نیتا دیر کرتے رہیں گے تو ہمارے دیش کا کلیان ہو چکا ۔

شرما جی: ارے کیا ہوا ۔ اتنے پریشان کیوں دکھائی دیتے ہیں آپ، پہلے کچھ جل پان کریں ۔ تھوڑی دیر بیٹھئے تو کچھ بات ہوگی ۔

دوارکا پرساد: ہاں ہاں بیٹھئے! آپ تو صرف الیکشن میں کھڑے ہوتے ہیں، باقی عمر تو گدی پر بیٹھے گزارتے ہیں۔ کیوں ہے نا یہ بات۔

(دونوں صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں)

شرما جی: (ہنستے ہوئے) ہاں ہاں آپ بڑے سمجھدار ہیں۔

دوارکا پرساد: رامو، رامو ـ دو پیگ بنا، منسٹر صاحب بغیر سوڈا اور پانی کے پیتے ہیں۔

شرما جی: ارے پرساد جی، ذرا وہ DUN HILL پلانا۔ LOCAL سگریٹ پیتے پیتے تھک گیا اور سب کے سامنے ڈن ہل نکالا بھی تو نہیں جاتا ELECTION CAMPAIGN کے خلاف ہے۔ (وہ سگریٹ جلاتا ہے، پھر کہتا ہے) ہاں بولو، تمہارے دھندے میں کیا گڑبڑی ہے، کیا گوتم ابھی تک خاموش نہیں ہوا۔

دوارکا پرساد: میں لاکھوں کا نقصان اٹھا چکا ہوں، مزدوروں کی مانگیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ میں اور نقصان نہیں سہہ سکتا۔ آپ کچھ کیجئے۔

شرما جی: یہ کیس کس کے ہاتھ میں ہے؟

دوارکا پرساد: آپ کے لیبر کمشنر کو میں کئی بار خوش کر چکا ہوں، لیکن وہ اب تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ اب آپ ہی بتائیے میں کیا کروں۔

شرما جی: مزدوروں کی وکالت کون کر رہا ہے۔ یہاں کی یونین کا سکریٹری کون ہے؟

دوارکا پرساد: وہی کمبخت گوتم، دو بار مجھ سے مل چکا ہے، مجھے دھمکی بھی دے چکا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جنگ وہ خون کے آخری قطرے تک لڑے گا۔ میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔

شرما جی: پرساد جی، غریبوں کے پاس خون نہیں پسینہ ہوتا ہے اور وہ دھیرے دھیرے سوکھ جاتا ہے۔

دوارکا پرساد: لیکن یہ کب سوکھے گا۔ جب میری تجوریاں سوکھ جائیں گی۔ اس جھمیلے میں

تو اپنے دوسرے پلان پر نظر نہیں دے رہا ہوں۔

(بیچ میں رامو آتا ہے)

رامو: سرکار، آپ کے دوست راکیش بابو آئے ہیں۔

دوارکا پرساد: راکیش آیا ہے، بلاؤ، اسے اندر لے جاؤ۔

(رامو نکل جاتا ہے)

شرما جی: (گھبرائے ہوئے) کہیں آپ کے OPPOSITION سے اس کا کوئی تعلق تو نہیں، دیکھئے میں بڑی مشکل سے کسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

دوارکا پرساد: نہیں، نہیں گھبرائیے نہیں، وہ میرا بہت پرانا ساتھی ہے۔ بزنس مین ہے، وہ خود بھی یونین سے نفرت کرتا ہے۔

(سوٹ اور ٹائی میں ملبوس راکیش اندر داخل ہوتا ہے)

راکیش: ہیلو دوارکا، یار تم کل پارک ہوٹل نہیں گئے۔ کل کے کیبرے کو دیکھنے کے لئے ہمارے منتری بھی آئے تھے۔ بڑا مزہ آیا یار۔

دوارکا پرساد: نہیں یار، میں نہیں جا سکا۔ ان سے ملو، یہ شرما جی ہیں، ہمارے لیبر منسٹر، یہ راکیش ناتھ ہے، میرا دوست!

راکیش: آپ سے مل کر بڑا آنند ملا۔

شرما جی: آپ کس چیز کا بزنس کرتے ہیں؟

راکیش: بس آپ کی کرپا سے تھوڑا مال اِدھر اُدھر کر لیتا ہوں۔

شرما جی: ہماری کرپا تو آپ کے ساتھ ہے۔ اچھا پرساد جی اب میں چلوں۔

دوارکا پرساد: ارے میرا کیا ہوگا۔ میرے مل سے اسٹرائیک کو ہٹائیے اور وہ سالا گوتم، اس کو کسی طرح گرفتار کر لیجئے۔

(اس دوران راکیش ناتھ سگریٹ جلاتا ہے اور پرسے پرچے دیکھتا ہے)

شرماجی: میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ میں آج ہی کمشنر صاحب کو فون کروں گا۔ تھوڑا
آپ اس پر مہربان رہیئے اور گوتم کوئی FACTOR نہیں دوارکا پرساد جی
میں D.I.G سے کل بات کروں گا ___ وہ بڑے بڑے کو بڑے
اطمینان سے ٹھکانے لگاتے ہیں ___ آپ فکر نہ کریں ONLY RELAX ___
اچھا اجازت دیجئے۔

دوارکاپرساد: O.K. میں آپ کو کل شام فون کروں گا۔ اس سے پہلے میں کوئی ایکشن
نہیں کروں گا۔ اگر کل کوئی بات نہ بنی تو پرسوں میں مزدوروں کی COLONIES کو
آگ لگوا دوں گا۔

شرماجی: ارے نہیں، قانون کو ہاتھ میں مت لیجئے ___ یہ خود آپ کے ہاتھ آجائے
گا ___ اچھا نمستے۔

راکیش: (مڑتے ہوئے) یار، یہ سالا کیا جھمیلا ہے۔ اب تک تم اس کو برداشت
کر رہے ہو، اس سالے کو مروا ڈالو، بولو تو میں کندن سے رابطہ کروں، وہ چپ
چاپ سب کہانی ختم کر دے گا۔

دوارکاپرساد: ہاں یار، تم اس سے کہو، وہ جو مانگے، اس کو دے دو لیکن گوتم کو ہمیشہ
کے لئے خاموش ہونا چاہیئے۔

(اتنے میں رامو بھاگتا ہوا آتا ہے)

رامو: سرکار، سرکار، گوتم آرہا ہے۔ بہت تیز تیز قدم اُٹھاتا ہے۔

راکیش: کیا ہوا، تم ٹھیک تو ہو دوارکا؟

دوارکاپرساد: (درد محسوس کرتے ہوئے اور ٹیبلیٹ کھاتے ہوئے) یار دل کا
مریض ہوں، بس تکلیف شروع ہو گئی، آج ڈاکٹر کے پاس جانا ہی ہوگا۔

راکیش: (اسے صوفے پر بیٹھاتے ہوئے اور فون کو ڈائیل کرتے ہوئے، جو نہیں
لگتا ہے) یار تم اطمینان سے بیٹھو، میں اندر جاکر بھائی سے ملتا ہوں اور وہیں

اور وہیں سے ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔

دوارکا پرساد: ہاں یار! ذرا جلدی کرو۔

(راکیش ناتھ دوسری طرف سے نکل جاتا ہے)

(اتنے میں گوتم اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے)

گوتم: کیا میں اندر آؤں سیٹھ!

دوارکا پرساد: آؤ، لیکن کیا لینے آئے ہو، میں نے تم سے کہہ دیا کہ میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔

گوتم: بات تو آپ کو کرنی ہی ہوگی دوارکا پرساد، اس لئے کہ بات بہت بڑھ گئی ہے۔

(اتنے میں راموشراب بنا کر دوارکا پرساد کو دیتا ہے، وہ آہستہ آہستہ گھونٹ لیتا ہے)

دوارکا پرساد: دیکھو اس مِل کا مالک میں ہوں، میں جو چاہوں گا، وہی ہوگا۔

گوتم: اور مزدور جو آپ کے مِل (MILL) کو اپنے خون پسینے سے سینچتے ہیں، ان کا مِل پر کوئی حق نہیں، سیٹھ اب دن بدل گیا ہے۔ اب ہر خون کے قطرہ کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔

دوارکا پرساد: تم کو معلوم ہے تم کس سے بات کر رہے ہو، میں دوارکا پرساد ہوں۔

گوتم: ہاں جانتا ہوں SUGAR MILL کا مالک دوارکا پرساد، جو غریبوں پر ظلم کرتا چلا آیا ہے۔

دوارکا پرساد: (غصہ میں اٹھتے ہوئے) چھوٹا منہ بڑی بات، تم جا سکتے ہو۔ آنے والے دن میں تمہارے مزدور اور بھی بھوکے مریں گے، ان کی بیویاں اور بچے اناج کے دانے کے لئے ترسیں گے، تب بات تمہاری سمجھ میں آئے گی۔

گوتم: مریں گے نہیں دوارکا پرساد، مر رہے ہیں۔ کل شام راج کا لڑکا مر گیا، وہ پاگل ہو گیا پرسوں کسی اور مزدور کے گھر کا چراغ بجھے گا۔ لیکن تم کو کیا ہوگا، تمہارے

نقصان سے تمہاری زندگی نہیں گئی۔ ان کے لئے تو ہر طرف موت ہی موت ہے۔

دوارکا پرساد: تم چالاک اور ذہین انسان ہو، یہ سماجی سیوا چھوڑ دو۔ تمہارے اور میرے درمیان کوئی فرق نہیں، ہمارے ساتھ آؤ نہیں تو پچھتاؤ گے۔

گوتم: (ہاتھ جوڑ کر) مجھے مت خریدو دوارکا پرساد، ان غریبوں پر رحم کرو۔ تم ان کی بات مان لو، ان کے چہرے سوکھے اکال کی مانند ہو گئے۔

دوارکا پرساد: میں فضول بحث کرنا نہیں چاہتا میرے پاس غریبوں کے چہرے دیکھنے کے لئے وقت نہیں، تم کل کی بات کرو۔

گوتم: (عاجزی کے ساتھ) سیٹھ، اپنے دل کے اندر ذرا نرمی بھر لو۔ میں تمہارے آگے سر جھکا دوں گا، اپنی ضد اور غصہ میں مزدوروں کو برباد نہ کرو۔ وہ تمہاری مل کو اپنی ماں سمجھتے ہیں۔ اس ماں کے بچے کو تن کے لئے کپڑے اور کم بھر کھانا تو دو ——— تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

دوارکا پرساد: تم مجھے دھمکی دے رہے ہو! میں تمہاری زندگی برباد کر سکتا ہوں۔ ساری عمر کال کوٹھری میں کھانستے گزر جائے گی سمجھے۔

گوتم: انسان کو اسقدر سخت لہجہ زیب نہیں دیتا، کوئی راستہ نکالو سیٹھ کہ مزدور اور مالک دونوں خوش رہیں۔

دوارکا پرساد: (بڑے اطمینان سے) مزدور صرف مزدور ہے، اور مالک، مالک ہے۔ میں نے اپنی دولت لگائی، میرا ذہن اس میں کام کرتا ہے، میں پلان بناتا ہوں اور دولت کماتا ہوں

گوتم: (غصہ کے انداز میں) اگر تم پیسہ لگاتے ہو تو مزدور بھی اپنا خون پسینہ ایک کر کے تمہاری تجوری بھرتے ہیں، تمہاری دولت کا بیشتر حصہ ان مزدوروں کی محنت کا سرمایہ ہے۔ تم کو یہ سرمایہ واپس دینا ہو گا۔

دوارکا پرساد: گلیوں کے آوارہ کتے، تم یہاں سے جا سکتے ہو۔

گوتم: میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس وقت تک جب کہ تم مل کے مزدوروں کی مانگیں نہ

مان لو۔ (وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتا ہے)

دوارکا پرساد: CLEAR AWAY, I SAY CLEAR AWAY, YOU DIRTY LOT

(شراب کا پیالہ پھینکتا ہے)

گوتم: بیٹھ آج تم کو فیصلہ کرنا ہوگا۔ تم مزدوروں کی دولت پر ناگ کی طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ ورنہ آج کی رات تم پر بہت بھاری گزرے گی۔

دوارکا پرساد: GET OUT YOU BASTARD میں تمہیں اور نہیں برداشت کر سکتا۔ غریبوں میں رینگنے والا کیڑا تیری یہ حیثیت!

YOU KNOW CAPITAL IS WHAT CAPITAL DOES

(غصہ میں گوتم کو دروازے کی طرف ڈھکیل دیتا ہے اور خود دل کے دورے کا شکار ہوتا ہے)

گوتم: (اٹھتے ہوئے) دوارکا پرساد، تجھ جیسا کمینہ میں نے نہیں دیکھا، غریبوں کی بھوک اور آنسو تیرے لئے کچھ نہیں، تجھے شراب کا نشہ اور دولت کی جھنکار چاہیئے، غریب مزدور مرتا ہے اور تو زندگی کو اپنی مٹھی میں قید کئے بیٹھا ہے، میں تجھے نہیں چھوڑوں گا دوارکا پرساد، میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔

(وہ لپکتا ہے اور اس کا گلا دبا دیتا ہے)

گوتم: (قہقہہ مار کر ہنستا ہے) دوارکا پرساد تو کل کا سورج نہیں دیکھے گا۔ کل کا سورج مزدوروں کے لئے ہے دوارکا، ہاہاہا.... تجھے نہیں معلوم کہ مزدوروں نے بہت اندھیرے جھیلے ہیں۔ دوارکا پرساد تو یہ دیکھ نہیں سکا کہ زمین کی تہہ سے اٹھتا ہوا یہ غریبوں کا لہو، تجھ سے اپنا حساب چکائے گا۔ اٹھ دیکھ تیرا حساب ہو چکا ہے، ایک آدمی کی موت ہزاروں مزدوروں کا راستہ ہے، دیکھ، ہاہاہا CAPITAL

CAPITAL IS WHAT CAPITAL DOES

(اتنے میں رالکیش فون کرتا ہے اور رامو آکر گوتم کو پکڑتا ہے۔ وہ تحقیرانہ ہنسی

ہنستا ہے)

(کورٹ کا منظر)

گوتم: تو یہ ہے میری کہانی جج صاحب! کیا اس شخص کا وجود ختم کرنا گناہ ہے جو ہزاروں غریبوں اور مزدوروں کے لئے ایک بھیانک خواب تھا جج صاحب! کیا اس آدمی کی موت اس ملک کی عظمت اور عدلیہ کے لئے ایک تحفہ نہیں، جس کی موجودگی پورے ملک اور قوم کے ماتھے پر ایک بدنما داغ تھی ——— میں نہیں جانتا کہ سچائی کو ہمارے ملک کا انصاف کن نظروں سے دیکھتا ہے لیکن میرا ضمیر صاف ہے، میں مجرم نہیں۔!

وکیل: (دوسرے وِنگس پر کھڑے ہو کر) مسٹر گوتم، تمہارا گناہ ثابت ہو چکا ہے۔ ان جذباتی باتوں سے عدالت پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ گواہوں کے بیانات اور جائے واردات پر تمہاری موجودگی اور تمہارا اقرارِ جرم تم کو مجرم ثابت کرتا ہے، میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ اس فیصلہ میں اور دیر نہ کی جائے ———!

(وقفہ)

آواز: (پس منظر سے) میں ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ آپ جج کے منصب عالی پر نئے نئے آئے ہیں۔ سچ کہنے والا تو مٹی کے تیل کی روشنی میں اور اندھیرے کونے میں گھٹتا جاتا ہے ———!

جج: گواہوں کے بیانات اور پورے واقعات کو پرکھنے کے بعد عدالت گوتم بنرجی کو

مجرم قرار دیتی ہے، اور دفعہ ۳۰۲/۳۴ زیرِ تعزیراتِ ہند عمر قید کی سزا دیتی ہے ــــــ!

(جج اور وکیل وِنگس سے باہر نکلتے ہیں، روشنی صرف گوتم پر ہے جو بالکل سنجیدہ ہے اور اچانک ایک پولس انسپکٹر اس کے قریب آتا ہے ــــ گوتم بڑے زور کا قہقہہ مار کر ہنستا ہے اور اس کے ساتھ ہولیتا ہے)

(پردہ)

●●
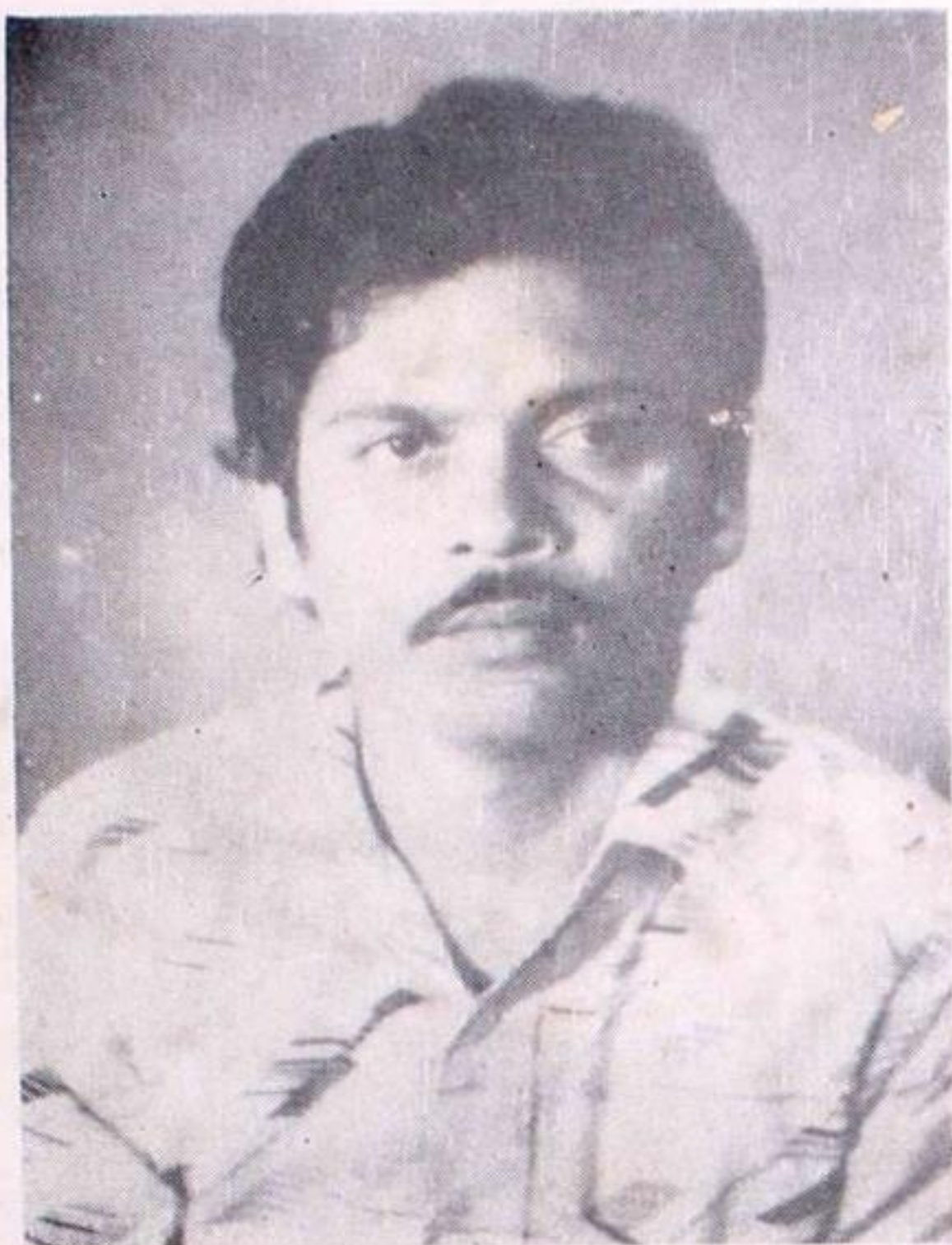
"سب سے بڑا اسرار یہ نہیں کہ ہم سب اچانک اور بلا ترتیب اس بیکراں دھرتی اور ستاروں کے جھرمٹ میں اچھال دیئے گئے ہیں بلکہ یہ کہ اس قید خانے میں ہم ایک ایسا پیکر تراش لیں جو نفیٔ ذات کے انکار کے لیے کافی دقیق ہو۔"

آندرے مالرو